معاشرتی علوم

حصۂ تاریخ

نظر ثانی شدہ

برائے جماعت ششم



علمی کتاب خانہ، ایجوکیشنل پبلشرز

اردو بازار۔ لاہور

معاشرتی علوم

حصّۂ تاریخ

نظرِ ثانی شدہ

برائے جماعت ششم

ناشر

علمی کتاب خانہ ایجوکیشنل پبلشرز۔ اردو بازار۔ لاہور

برائے

ویسٹ پاکستان ٹیکسٹ بک بورڈ۔ لاہور

تاریخ اشاعت	ایڈیشن نمبر	تعداد اشاعت	قیمت
مارچ ۱۹۶۵ء	سوم	42,500	ایک روپیہ چار پیسے

تیار کردہ ویسٹ پاکستان ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور ومنظور شدہ محکمۂ تعلیم مغربی پاکستان، لاہور بطور سول ٹیکسٹ بک برائے مدارس مغربی پاکستان بموجب سرکلر نمبر S.O.(S)20-24/63 مورخہ 29 فروری ۱۹۶۴ء

مصنفین:

ابو امام لیڈر ان ہسٹری راج شاہی یونیورسٹی ۔ راج شاہی

(باب اوّل)

ملک دین محمد پروفیسر انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ

پنجاب یونیورسٹی ۔ لاہور

(باب دوم تا نہم)

نظر ثانی

ملک دین محمد پروفیسر انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ

پنجاب یونیورسٹی ۔ لاہور

طابع .. .. مولوی سردار محمد

ناشر .. .. علمی کتاب خانہ، لاہور

مطبع .. .. .. { مسلم پرنٹنگ پریس، لاہور

مدینہ " "

پیش لفظ

تاریخ اس جدوجہد کی داستان ہے، جو انسان اپنے قدرتی و معاشرتی ماحول پر قابو پانے کے لیے کرتا رہتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں تاریخ انسان کی ایسی آپ بیتی ہے جو دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی۔ زمانۂ ماضی کے واقعات اور ان کے نتائج اس غرض سے فراہم کیے جاتے ہیں کہ آنے والی نسلیں ان سے فائدہ اٹھائیں اور ان کی روشنی میں اپنے طرزِ عمل کو درست کر لیں۔ اس لحاظ سے تاریخ کی مثال "روشنی کے مینار" کی سی ہے، جو تاریک سمندروں میں چلنے والے سفینوں کی رہنمائی کرتا ہے۔

جدید نصابِ تعلیم میں تدریسِ تاریخ کے مندرجہ ذیل مقاصد کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی گئی ہے
طلباء میں اپنے معاشرتی ماحول کو صحیح طور پر سمجھنے کی صلاحیت پیدا کی جائے تاکہ وہ اسے بنانے اور سنوارنے کے لیے پورے طور پر سرگرمِ عمل ہو جائیں۔

طلباء میں احساس پیدا کیا جائے کہ وہ اپنے تمدنی ورثے اور قومی روایات پر بجا طور پر فخر کر سکیں۔ ملک اور قوم کے وفادار اور جان نثار بن جائیں، اسلام کی دی ہوئی بلند انسانی قدروں سے روشناس ہوں اور نوعِ انسان کے لیے محبت اور اخوت کے جذبے سے سرشار ہو جائیں۔

چھٹی جماعت کے لیے معاشرتی علوم (حصۂ تاریخ) کی تالیف میں یہی مقاصد سامنے رکھے گئے ہیں۔ اس کتاب میں تاریخِ پاکستان کا سرسری خاکہ دیا گیا ہے اور محض بادشاہوں کے حالات کا مرقع پیش نہیں کیا۔ بلکہ عام ملکی حالات اور دوسرے ضروری امور کو پیش کرنے کا بھی پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ نیز واقعات کے پس منظر اور متعلقات کو بھی اختصار کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ اندازِ بیان آسان اور سلیس رکھا گیا ہے تاکہ طلباء کو واقعات و حالات کے سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

تاریخ نگاری کی پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ زمانۂ ماضی کی داستان کو زیادہ سے زیادہ صداقت اور صحت کے ساتھ بیان کیا جائے۔ اسلاف کے ساتھ انصاف کا تقاضا بھی ہے کہ ان کے حالات و واقعات کو کسی قسم کی رنگ آمیزی کے بغیر نہایت سادہ طریقے سے بیان کیا جائے۔

اپنے ذاتی رُجحان یا شخصی پسند و ناپسند کو اس میں ذرا بھی دخل نہ ہو۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جن لوگوں نے پاک و ہند کے اسلامی عہد کی تاریخ لکھی ہے، اُن میں اکثر نے اس اصول کی پیروی نہیں کی۔ اُنھوں نے مسلمانوں کے حالات کو اپنے خاص مقاصد کے سانچے میں ڈھال کر پیش کیا اور سچائی اور حق گوئی کی مطلق پروا نہیں کی۔ زیرِ نظر کتاب میں اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ حالات کا زیادہ سے زیادہ صحیح نقشہ پیش کیا جائے۔

تاریخ کی درسی کتاب بیک وقت تاریخی معلومات میں اضافہ کرنے، اِن معلومات کو ذہن نشین کرانے اور تاریخی ذوق پیدا کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے مختلف تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔ کہیں نفسِ مضمون کو دلچسپ اور زود فہم بنایا جاتا ہے۔ کہیں طرزِ بیان کی سلاست سے کام لیا جاتا ہے اور کہیں مزید وضاحت کے لیے مختلف سمعی و بصری معاونات سے امداد لی جاتی ہے۔ بچوں کی ذہنی استعداد اور وقتی ضرورت کے پیشِ نظر صرف بالغ نظر، ہمدرد اور پختہ کار معلم ہی اس بات کا فیصلہ کر سکتا ہے کہ کس موقع پر کس قسم کے طریقِ تدریس اور کون کون سے امدادی ساز و سامان کی ضرورت ہے۔

آخر میں معلمین کی توجہ دو نہایت اہم امور کی طرف مبذول کی جاتی ہے۔ اوّل یہ کہ تاریخ کی درسی کتاب اختصار سے کام لیتی ہے لیکن بچے تفصیلات کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ معلمین کو چاہیے کہ تفصیلات مہیا کرنے کے لیے مختلف وسائل کی طرف رجوع کریں۔ دوم یہ کہ بچے سُننے، پڑھنے اور زبانی یاد کرنے سے زیادہ سیر و سیاحت، اشیاء جمع کرنے، نقشے، تصویریں، ماڈل اور چارٹ بنانے اور تاریخی تمثیل میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس کتاب میں ہر باب کے خاتمے پر بطورِ نمونہ ایسی مشقیں تجویز کی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ اس قسم کی خود ساختہ مشقوں سے بھی تدریس میں جان پیدا کی جا سکتی ہے۔

دیگر مضامین کی طرح تاریخ میں بھی بعض اصطلاحات کا جاننا ضروری ہے معلمین کو چاہیے کہ دورانِ تدریس میں ایسی اصطلاحات کی تشریح کر دیں تاکہ مطالب سمجھنے میں بچوں کو آسانی ہو۔

مؤلف

فہرست مضامین

چوتھا باب

دہلی میں سلطنت کا قیام

پانچواں باب

سلطنت دہلی کا استحکام

چھٹا باب

سلطنت دہلی کی توسیع اور زوال

ساتواں باب

سلطنتِ دہلی کا خاتمہ

آٹھواں باب

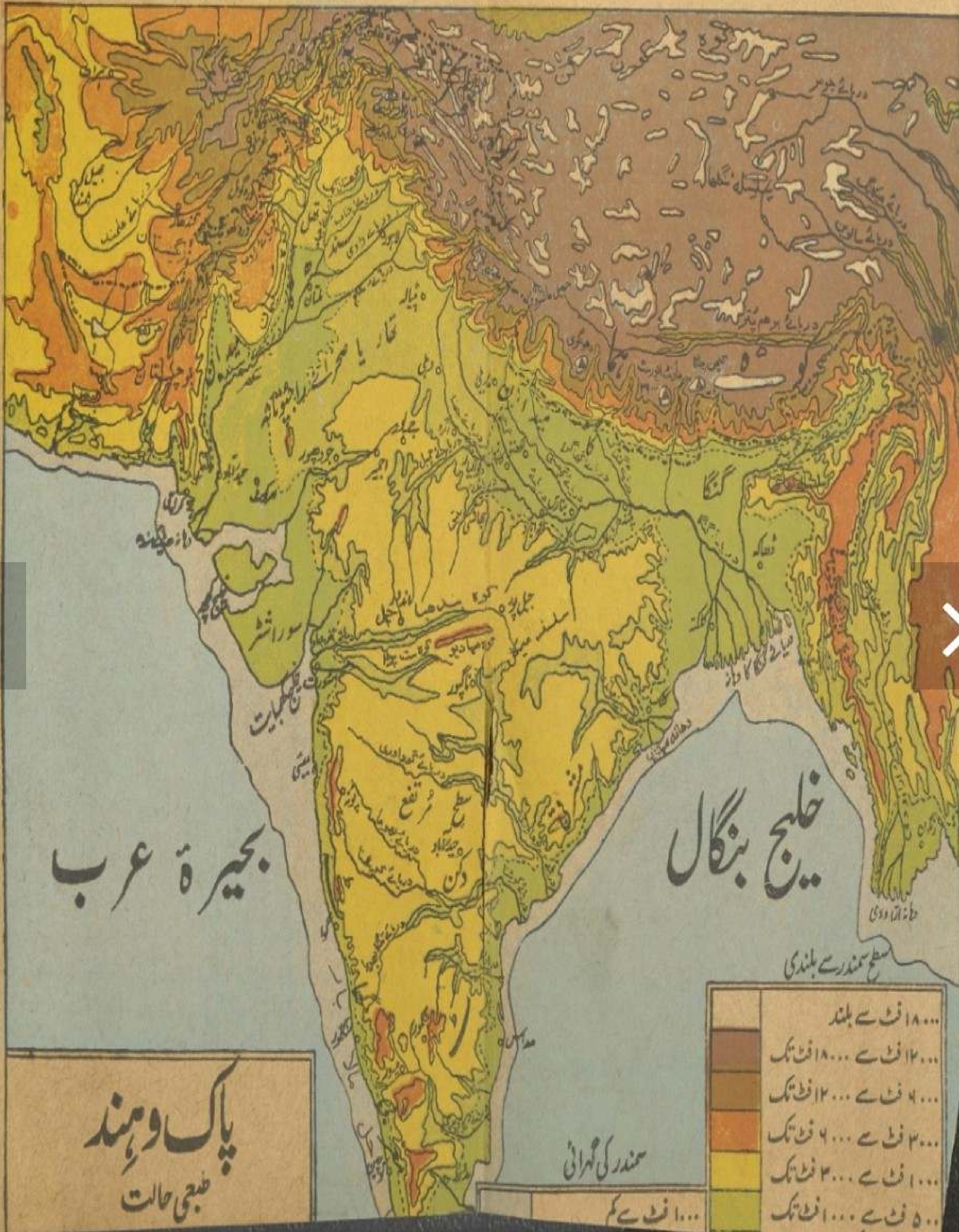
سلطنتِ مُغلیہ کا قیام

نواں باب

سلطنتِ مُغلیہ کا اوجِ کمال

نقشہ جات

تصاویر



پاک وہند
طبعی حالت
بحیرۂ عرب
خلیج بنگال
گنگا
دکن
سوراشٹر
سمندر کی گہرائی
سطح سمندر سے بلندی
۱۸۰۰۰ فٹ سے بلند
۱۲۰۰۰ فٹ سے ۱۸۰۰۰ فٹ تک
۶۰۰۰ فٹ سے ۱۲۰۰۰ فٹ تک
۳۰۰۰ فٹ سے ۶۰۰۰ فٹ تک
۱۰۰۰ فٹ سے ۳۰۰۰ فٹ تک
۵۰۰ فٹ سے ۱۰۰۰ فٹ تک
۱۰۰۰ فٹ سے کم

پہلا باب

پتّھر کا زمانہ

تہذیب کی ترقّی

اِبتدائی یا شرُوع کے زمانے کا اِنسان قدُرت کی طاقتوں کے رحم پر تھا۔ اگر بادل گرجتا تو اس کا دِل دھڑکنے لگتا تھا۔ بجلی چمکتی تو ڈر کے مارے کِسی کھوہ میں گھُس جاتا تھا۔ ہوا کے طوفان چلتے تو اس کا گھاس پھونس کا جھونپڑا اُڑا کر لے جاتے دریا اُمنڈ کر آتے تو اس کا گھر بار بہا کر لے جاتے تھے۔ لیکن آج بجلی اس کے کارخانے چلاتی ہے۔ اس کے کمروں کو روشن کرتی ہے، دریا اس کے کھیتوں کو پانی دیتے ہیں۔ اُن کے گرتے ہُوئے پانی اس کے لِئے بن بجلی مہیّا کرتے ہیں۔ آج اِنسان نے قدُرت کی طاقتوں پر قابُو پا لیا ہے۔ آج وہ پانی میں مچھلی کی طرح تیرتا اور ہوا میں پرندوں کی طرح اُڑتا ہے اور اب تو وہ راکٹوں میں زمین کے گرد چکّر لگاتا ہے۔ وہ دِن دُور نہیں جب وُہ چاند سِتاروں تک

پہنچ جائے گا۔ اِنسان نے یہ ترقی ایک دِن میں نہیں
کی۔ وہ اس کے لیے برابر کوشش کرتا رہا۔ اس کو
اِتنی ترقّی کرنے میں ہزاروں سال نہیں لاکھوں سال
لگ گئے۔ اِس لمبے زمانے میں اِنسان نے ترقّی کی
کئی منزلیں طے کیں۔

پتھّر کا قدیم زمانہ

شروع کے اِنسان کو اپنے
اِردگرد کی چیزوں پر زیادہ
قابو نہیں تھا۔ اس کو قدرت کے بہت کم بھید معلوم
تھے۔ قدرت نے اسے بہت سی کارآمد چیزیں دی
تھیں، لیکن شروع میں وہ ان سے پورا فائدہ نہیں
اُٹھا سکتا تھا۔ زمین کے اندر دھاتوں کے خزانے موجو
تھے لیکن وہ ان کا اِستعمال نہیں جانتا تھا۔ زمین
کام کر کے وہ ہر طرح کی فصلیں اُگا سکتا تھا، لیکن
ابھی تک اسے کھیتی باڑی نہیں آتی تھی۔ وہ پتھّروا
سے چاقو اور نیزے کی قسم کے اوزار اور ہتھیار
لیتا تھا لیکن وہ بھدّے ہوتے تھے۔ اس زمانے
پتھّر کا پُرانا زمانہ کہتے ہیں۔ ہمارا نیا دارالحکومت
اسلام آباد، پوٹھوہار کی وادی میں بنایا جا رہا ہے۔ اِس
وادی میں آج سے پانچ لاکھ سال پہلے اس زما

کا اِنسان موجود تھا۔ وہاں عمارتیں بنانے کے سلسلے میں جو کھدائی کی گئی تو زمین کے نیچے سے اُس زمانے کے اوزار ملے۔ اُس کے بعد اِنسان آہستہ آہستہ ترقی کرتا گیا۔

پتھّر کا نیا زمانہ

آج سے کوئی دس ہزار سال پہلے اِنسان پتھّر سے بہتر قِسم کے اوزار بنانے لگا۔ وہ اِس سے چاقو، کلہاڑے، ہتھوڑے اور نیزوں کے پھل بناتا تھا۔ اب اسے کھیتی باڑی کا کام آ گیا تھا۔ وہ جنگلی جانوروں کو اپنے کام کے لیے سِدھا لیتا تھا۔ مٹّی کے برتن بنا لیتا تھا۔ اس نے کپڑا بُننے کا فن بھی اِیجاد کر لیا تھا مگر ابھی تک اسے تانبے یا لوہے سے کام لینا نہیں آیا تھا۔ ہمارے ہاں پاکستان میں بھی اِس قِسم کے اوزار اور دُوسری چیزیں زمین کے اندر دبی ہُوئی مِلی ہیں۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانے میں ہمارے ہاں بھی اُس زمانے کا اِنسان موجود تھا۔

تانبے اور پتھّر کا زمانہ

جب اِنسان پتھّر سے اِتنے اچھّے اوزار بنانے لگا تو اسے دھاتوں کا استعمال سیکھ لینے میں بھی

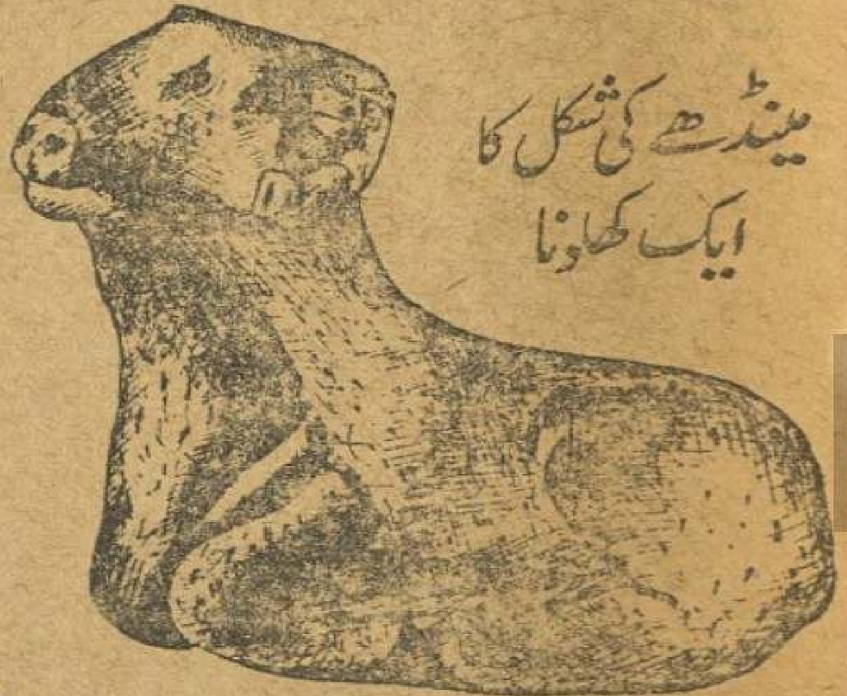
زیادہ وقت نہ لگا۔ لوہے کے مقابلے میں تانبا آسانی سے پگھل جاتا ہے اِس لیے اِنسان نے سب سے پہلے اِسی دھات کا اِستعمال سیکھا۔ چُونکہ دھاتیں آسانی سے نہیں پگھلتیں، ان سے اوزار بنانے میں بھی دیر لگتی ہے اِس لیے اِنسان دھات کے اوزاروں کے ساتھ ساتھ پتّھر کے اوزار بھی اِستعمال کرتا رہا۔ اس زمانے کو تانبے اور پتّھر کا زمانہ کہتے ہیں۔ اس زمانے میں لوگ چھوٹے چھوٹے گاؤں بنا کر رہتے تھے۔ اس زمانے کے زمین میں دبے ہوئے گاؤں ہمارے ہاں بلوچستان میں بھی دریافت ہوئے ہیں۔

وادئ سِندھ کی تہذیب

لیکن ہمارے ہاں اِنسان نے گاؤں ہی نہیں بنائے بلکہ بڑی بڑی بستیاں بھی آباد کیں۔ آج سے پانچ ہزار سال پہلے ہمارے ہاں دریائے سِندھ کی وادی میں بڑے بڑے شہر آباد تھے اِسی لیے ہمارے ملک کی تہذیب دُنیا کی بہت پُرانی تہذیبوں میں شمار ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں اِتفاق سے دو جگہ کھدائی کی گئی۔ زمین کے اندر سے اس زمانے کے دبے ہوئے دو شہر نکلے ہیں۔ ان میں سے ایک موہن جو دڑو کے قریب

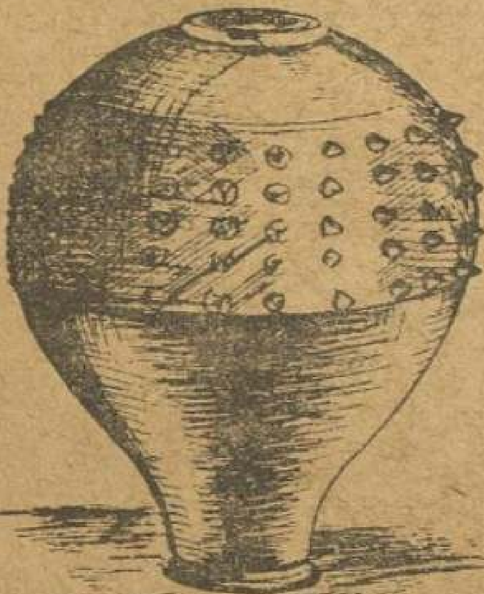


بچّوں کے کھیلنے کی گاڑی جس میں
گاڑی بان بھی بیٹھا ہے



مینڈھے کی شکل کا
ایک کھلونا

اس زمانے کے لوگ
ایسے مینڈھے پالتے
تھے



مٹی کا برتن جس میں
عورتیں کاجل ڈالتی تھیں



گورکھ دھندا

موہن جو دڑو کی چند مُہریں



ہاتھی



گینڈا

اِن مُہروں میں اس زمانے کی لکھائی کے حروف کا مطالعہ کرو



ایک دیوتا



پیپل کا مقدس درخت

موہن جو دڑو کا ایک مجسمہ۔ اس نے چھینٹ کا لباس پہنا ہُوا ہے

ہے جو سِندھ کے علاقے میں واقع ہے اور دوسرا ہڑپا کے نزدیک، جو ضِلع منٹگمری میں ہے۔ اس زمانے میں ان کے علاوہ اور بھی بے شمار گاؤں اور چھوٹے چھوٹے قصبے ہوں گے کیونکہ ان لوگوں کی بستیاں پورے مغربی پاکستان میں بکھری ہوئی تھیں۔ آج سے کوئی ساڑھے تین ہزار سال پہلے یہ شہر کسی وجہ سے تباہ ہو گئے اور آہستہ آہستہ مٹّی کے نیچے دبتے چلے گئے اور صدیوں تک ایسے ہی دبے رہے۔ دیکھنے والوں کو وہ چھوٹے ٹیلے یا پہاڑیاں معلوم ہوتے تھے۔ جو ٹیلے سِندھ کے علاقے میں تھے ان کو وہاں کے لوگ موہن جو دڑو یعنی مُردوں کے ٹیلے کہتے تھے۔ کوئی پینتالیس سال ہوئے کہ وہاں سے پُرانے زمانے کی کچھ چیزیں مِلیں۔ اس پر ان کی کھدائی کی گئی تو اندر سے دو عظیم الشّان شہر دبے ہوئے نکلے۔ ان کی کھدائی میں جو چیزیں مِلیں اُن میں سے چند ایک کی تصویریں تمھاری کتاب میں دی ہوئی ہیں۔ ان میں بچّوں کے کِھلونے، چھوٹی اور بڑی مُہریں اور مجسّمے ہیں۔ بڑی مُہر کے اُوپر کے حِصّے میں کچھ شکلیں سی بنی ہوئی ہیں۔ یہ اُن لوگوں کی لِکھائی کا نمونہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ لِکھنا

پڑھنا جانتے تھے لیکن اب تک ان کے حروف کو پڑھا نہیں جا سکا۔ اب تم مجسّمے کی تصویر دیکھو۔ اُس کے جسم پر سُوتی کپڑے کی قمیص ہے جس پر خوبصورت بیل بُوٹے بنے ہُوئے ہیں۔ اِس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ کپاس کی کاشت کرتے تھے اور اس سے سُوتی کپڑا بناتے تھے۔

اگر تم کبھی ان شہروں کو دیکھنے جاؤ تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ لوگ اپنے شہروں کے نقشے بہت سوچ سمجھ کر تیار کرتے تھے۔ موہن جو ڈرو کے شہر کی تمام سڑکیں سیدھی تھیں اور ایک دوسرے کو زاویہ قائمہ پر کاٹتی تھیں۔ اِس شہر کے مکان بھی اچھّی قسم کی اینٹوں کے بنے ہوئے ہیں۔ ان کے فرش پر پکّی اینٹیں لگی ہیں۔ ہر مکان کے ساتھ ایک غسل خانہ بھی ہے۔ گندے پانی کے نکاس کے لیے پکّی اینٹوں کی نالیاں بنی ہوئی ہیں۔ ان میں سے ہوکر پانی شہر کی بدر رَو میں چلا جاتا تھا۔ گلی کوچوں کی نالیاں اینٹوں سے ڈھکی ہوئی ہیں۔ شہر میں نہانے کا ایک تالاب بھی بنا ہُوا ہے ان کے مکان اتنے اچھّے بنے ہُوئے ہیں کہ ہم آج بھی ان سے بہت سی باتیں سیکھ سکتے ہیں۔ یہ لوگ

کانسی کی دھات کا استعمال جانتے تھے اور اسے ڈھال کر اس کی مختلف چیزیں بناتے تھے۔

اس شہر کی کھدائی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے سب سے پہلے جنگلی پرندوں کو پالنا شروع کیا۔ یہ کئی قسم کے جانور بھی پالتے تھے۔ ہمارے ہاں روپے کے سولہ آنے اور سیر کی سولہ چھٹانکیں ہوتی ہیں۔ سکّوں اور وزنوں کو سولہ سولہ حصّوں میں تقسیم کرنے کا طریق ہم نے انہی لوگوں سے لیا ہے۔

لباس اور زیور

ہمیں اُن کے مجسّموں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ سُوتی قمیص پہنتے تھے۔ ایک چادر کندھوں پر ڈالتے تھے اور ایک سر پر۔ یہ آج کل کی پگڑی سے ملتی جلتی تھی۔ یہ لوگ جُوتے پہنتے تھے اور چھتریاں استعمال کرتے تھے۔ امیر عورتیں چوڑیاں اور ہار پہنتی تھیں، جو عموماً قیمتی دھاتوں سے بنائے جاتے تھے اور ان میں قیمتی نگینے جڑے ہوتے تھے۔ مرد کانوں میں بالے پہنتے تھے اور داڑھیوں کو رنگ لگاتے تھے۔ وادیٔ سندھ کی یہ تہذیب آج سے ساڑھے تین ہزار سال پہلے زوال میں آ گئی اس کو آریا لوگوں نے ختم کیا۔

آریا

آریاؤں کا اصل وطن وہ وسیع میدان تھا، جو مشرقی یورپ سے ترکستان تک پھیلا ہوا ہے۔ ان کا قد لمبا اور رنگ گورا چٹا تھا۔ ان لوگوں نے اپنا وطن آج سے کوئی ساڑھے تین ہزار سال پہلے چھوڑا۔ ممکن ہے ان کے ہاں بارش کی کمی سے قحط پڑ گیا ہو یا کوئی اور بات ہو گئی ہو۔ بہر حال یہ لوگ اپنے وطن سے مختلف سمتوں میں چل پڑے۔ ان میں سے ایک گروہ یونان اور بحیرۂ روم کے کنارے کے ملکوں میں آباد ہو گیا۔ کچھ لوگ یہاں سے بھی آگے بڑھ گئے اور یورپ کے دوسرے حصّوں میں آباد ہو گئے۔ دُوسرے گروہوں نے اِیران اور پاک و ہند کا رُخ کیا۔ ہمارے ہاں یہ لوگ درّۂ خیبر کے راستے پہلے پہل دریائے سِندھ کی وادی میں داخل ہُوئے۔ ان تمام ملکوں میں بسنے والے سب ایک ہی نسل کے لوگ ہیں۔ اس کو آریا نسل کہتے ہیں۔ اس بات کا پتہ اِس طرح چلا کہ عالم لوگوں نے ان ملکوں کی زبانوں کا مطالعہ کیا۔ ان تمام زبانوں میں بہت سے ایسے لفظ ملتے ہیں، جن کی جڑ ایک ہی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ شروع میں ایک ہی

زبان بولتے تھے۔ اِس طرح سے سنسکرت، فارسی، یونانی جرمن، انگریزی اور فرانسیسی زبانیں آپس میں ایک دوسری کی بہنیں ہیں۔

آریاؤں کا پھیلاؤ

وَیسے تو آریا لوگ سارے پاک و ہند میں پھیل گئے تھے لیکن انھوں نے کوہ وندھیاچل کے شمالی حصے کو خاص طور پر آباد کیا اور اسے رہنے سہنے کے قابل بنا دِیا۔ پہلے پہل وہ وادیٔ سندھ پر قابض ہوئے۔ کچھ مدّت کے بعد وہ دریائے گنگا کے ساتھ ساتھ مشرقی جانب بڑھنے لگے۔ انھوں نے وہاں کے گھنے جنگلوں کو صاف کر دِیا اور اس علاقے کو رہنے کے قابل بنا دِیا۔ چھٹی صدی قبل مسیح تک دریائے گنگا کی وادی کا بڑا حصّہ شاداب اور آباد ہو چکا تھا۔ اس دَور میں ہمیں وہاں کے ایسے بیس شہروں کے نام ملتے ہیں، جو بہت رونق والے تھے اور وہاں کے لوگ بھی بہت دولت مند تھے۔

تہذیب و تمدّن

آریاؤں کے رہنے سہنے کے طریقے موہن جو ڈرو اور ہڑپّا کے لوگوں سے بہت مختلف تھے۔ آریاؤں کے تمدن

نے اس وقت تک اتنی ترقّی نہیں کی تھی کہ بڑے بڑے شہر بنا سکیں۔ ان کے کھیتی باڑی کے طریقے بھی بہت پرانے تھے۔ ان کا اصلی پیشہ جانور پالنا تھا۔ وہ لکھنا بھی نہ جانتے تھے۔ البتّہ وہ جنگ جُو اور من چلے لوگ تھے۔ انھوں نے فنِّ جنگ میں خاصی ترقی کی تھی۔ موہن جوڈرو کے لوگ گھوڑے پالنا نہیں جانتے تھے۔ آریا لوگوں نے مرکزی ایشیا کے میدانوں میں جنگلی گھوڑے کو پالتو جانور بنا لیا تھا۔ وہ اسے جنگی رتھوں میں استعمال کرتے تھے۔

سماجی زندگی

آریا لوگ پہلے سے جانور پالتے چلے آئے تھے۔ اس لیے اُن کے ہاں پالتو جانوروں کی بڑی قدر تھی۔ جب تک سکّے کا رواج شروع نہیں ہوا تھا تو لوگ مویشیوں کے ذریعے لین دین کرتے تھے۔ اگر کسی چیز کی قیمت لگانی ہوتی تھی تو اس کو سکّوں میں شمار نہیں کرتے تھے بلکہ یہ کہتے تھے کہ اس کی قیمت اتنے عدد مویشی ہے۔ موہن جوڈرو کے رہنے والوں کی طرح آریا لوگ بھی لوہے کا استعمال نہیں جانتے تھے لیکن ان میں کانسی کا کام کرنے والے بہت اچھے کاریگر موجود تھے۔ وہ اس دھات سے ایسے

اوزار اور چیزیں بناتے تھے جو موہن جو ڈرو کے اوزاروں اور چیزوں سے کہیں بہتر تھیں۔

آریا لوگ چاند، سورج اور ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔ وہ چمکتے آسمان، بارش والے آسمان، بجلی اور آگ کو بھی دیوتا سمجھتے تھے۔ پوجا کرتے وقت منتر گاتے اور سوم رس جو ایک قسم کی شراب تھی، اُس کو زمین پر لُنڈھاتے تھے۔ آریا لوگ کھیل تماشوں کے بڑے شائق تھے۔ وہ گھوڑوں کو رتھوں میں جوت کر اُن کی دَوڑیں کراتے تھے۔ گانے میں بنسری اور ڈھول بجاتے تھے۔ تہواروں پر سوم رس پیتے اور جُوا کھیلتے تھے۔

وہ جنگوں میں خود یا لوہے کی ٹوپی پہنتے تھے بدن پر زرہ بکتر یا فولاد کا لباس پہنتے تھے۔ ان کی فوج پیادہ جنگ کرتی تھی اور اُن کے سردار رتھوں میں بیٹھتے تھے۔ جنگ کے وقت ڈھول پیٹتے اور نفیریاں بجاتے تھے۔ جب کوئی راجا بہت طاقت ور ہو جاتا تھا تو وہ اشومیدھ یگ یا گھوڑے کا جشن مناتا تھا۔ راجا کی طرف سے ایک گھوڑا کھول دیا جاتا تھا وہ جدھر کا رُخ کرتا تھا اُس کی فوج

اس کے پیچھے پیچھے جاتی تھی۔ اگر کوئی راجا گھوڑے کو روکتا تھا، تو جنگ شروع ہو جاتی تھی۔ اِس طرح وہ گھوڑا سال بھر تک گھومتا اور جہاں جہاں گزرتا اُس تمام علاقے کو راجے کے ماتحت سمجھا جاتا۔ جب سال کا اخیر ہوتا تو اُس گھوڑے کی بڑی دھوم دھام سے قربانی کی جاتی تھی۔

ذات پات کی تقسیم

شروع شروع میں آریاؤں کی زندگی بہت سادہ تھی۔ اُن کی مذہبی رسموں کو خاندان کا بڑا آدمی خود ادا کر لیتا تھا۔ آہستہ آہستہ برہمنوں کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا اور تمام مذہبی رسمیں اور قربانیاں برہمن لوگ کرنے لگے۔ برہمن لوگوں نے اپنا اثر اور رسوخ بہت بڑھا لیا۔ اُن کو لوگوں میں بڑا رُتبہ حاصل ہو گیا۔ انھوں نے چاہا کہ یہ رُتبہ ان کی اولاد کے بعد ہمیشہ کے واسطے محفوظ ہو جائے۔ اِس لیے اُنھوں ذات پات کو رواج دے دِیا اور چار ذاتیں ورن بنائے۔ ورن کے معنی رنگ کے ہیں۔ آریا لوگ صاف رنگ کے تھے، اِس لیے ان کو اونچی ذات میں شمار کِیا گیا۔ ان میں برہمن، کھشتری اور ویش

تھے۔ پاک و ہند کے پُرانے باشندوں کے رنگ سانولے تھے۔ آریاؤں نے اُن کو سب سے نچلی ذات قرار دیا یہ شوُدر کہلاتے تھے اور ان کا کام پہلی تین ذاتوں کی خدمت کرنا تھا۔ ذات پات کی وجہ سے شوُدروں نے جو مصیبتیں اُٹھائیں وہ دُنیا کی کسی قوم نے نہیں اُٹھائیں شوُدر لوگ شہر میں داخل ہوتے تھے تو آگے آگے ڈھول بجتا جاتا تھا۔ ڈھول سُن کر لوگ رَستے سے ہٹتے جاتے تھے تاکہ ان کا ناپاک سایہ اُن پر نہ پڑ جائے۔ اگر غلطی سے کوئی شوُدر کسی برہمن کے پاس بیٹھ جاتا تھا تو اُس کا بدن آگ سے داغ دِیا جاتا۔ اگر کہیں برہمنوں کی پاک زبان سنسکرت کا فِقرہ سُن لیتا تھا تو اُس کے کان میں پگھلا ہُوا سیسہ ڈال دیا جاتا تھا۔

مہاتما بُدھ

شوُدروں کی حالت دیکھ کر بھلے لوگوں کے دِل پر صدمہ ہوتا تھا۔ اُن میں سے ایک مہاتما بُدھ تھا جس نے برہمنوں کے خلاف آواز بلند کی۔ اُس نے بُدھ مذہب کی بُنیاد رکھی۔ اِس مذہب کے ماننے والوں کو بُدھ کہتے ہیں۔ یہ مذہب ہندوستان میں سینکڑوں سال



تک رائج رہا اور یہاں سے نکل کر چین، جاپان تک پھیل گیا۔ ہمارے مغربی پاکستان میں بھی اِس کے بڑے بڑے مرکز تھے۔ اِس کے ماننے والے آج بھی مشرقی پاکستان میں موجود ہیں۔

مہاتما بُدھ 568ء ق۔م میں کپل وستو کے راجا کے ہاں پیدا ہُوا۔ یہ کوہ ہمالیہ کے دامن میں ایک چھوٹی سی ریاست تھی۔ اِس حساب سے مہاتما بُدھ کو پیدا ہوئے اڑھائی ہزار سال سے زیادہ ہو گئے۔

مہاتما بُدھ کی زِندگی بڑے عیش و آرام کی تھی، مگر اُس کا دِل بچپن ہی سے بے چین رہنے لگا۔ محل سے باہر نِکلتا تو اُسے دُنیا مصیبتوں کا گھر معلوم ہوتی۔ ایک دِن اس نے ایک بُوڑھے کو دیکھا جو ہڈیوں کا ڈھانچہ معلوم ہوتا تھا۔ پھر ایک دِن اس کو ایک بیمار نظر پڑا جو زمین پر رینگ رینگ کر چل رہا تھا۔ ایک دِن اُس کو ایک جنازہ دیکھنے کا اِتّفاق ہُوا جِس کے پیچھے پیچھے لوگ ماتم کرتے ہُوئے جا رہے تھے۔ اِن باتوں

کا اُس کے دِل پر بہت گہرا اثر ہوا اور اُسے یقین ہو گیا کہ دُنیا مصیبت اور رنج کا گھر ہے اور اُسے معلوم کرنا چاہیئے کہ اس کے دُکھوں سے کیسے نجات ہو سکتی ہے۔ آخر ایک رات جب اُس کے گھر کے لوگ سوئے ہوئے تھے تو وہ بستر پر سے اُٹھا، اپنے سوئے ہوئے بیٹے اور بیوی پر آخری نِگاہ ڈالی اور جنگل کی راہ لی۔ وہ حقیقت کی تلاش میں جنگلوں، بیابانوں میں مارا مارا پھرنے لگا۔

اِس نے بنارس کے قریب راج گڑھ کے جنگل میں دو سال برہمنوں کا چیلا یا شاگرد بن کے گزارے۔ مگر اُس کے دِل کی بے چینی کم نہ ہوئی۔ اب اس نے ارادہ کیا کہ وہ خود ہی حقیقت کی تلاش کرے گا۔ پھر وہ گیا (بہار) کے جنگل میں چلا گیا اور وہاں چار سال تک فاقے کرتا اور عبادت کرتا رہا۔ آخر کار ایک دِن وہ ایک پیپل کے درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور اُنچاس دِن گیان دھیان میں لگا دیئے۔ یہاں بیٹھے بیٹھے اچانک دِل میں روشنی پیدا ہوئی اور اس کی نِگاہوں میں دُنیا اور اُس کے دُکھ درد کی حقیقت روشن ہو گئی۔ اب وہ بُدھ یا عِلم اور عقل والا بن چکا تھا۔

بُدھ کی تعلیم

اب اُس نے اپنے پیغام کو مُلک میں پھیلانا شروع کیا۔ برہمن لوگ مذہب کی تعلیم سنسکرت زبان میں دیتے تھے۔ یہ زبان عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ بُدھ نے عام لوگوں کی زبان میں وعظ کرنے شروع کیے۔ اس نے اپنے پیغام کو پھیلانے کے لیے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ اپنے چیلوں کی ایک انجمن یا سنگھ بنایا۔ اُس میں ہر شخص داخل ہو سکتا تھا۔ ذات پات کی کوئی تمیز نہیں تھی۔ یہ لوگ سر مُنڈوا کر زرد کپڑے پہن لیتے تھے۔ دَر بَدر بھیک مانگ کر پیٹ بھرتے تھے اور گاؤں گاؤں پھر کر بُدھ مذہب کا پرچار کرتے تھے۔

مہاتما بُدھ کے پیغام کو عام لوگوں نے بڑی توجّہ سے سُنا۔ سب سے پہلے وہ اپنے وطن کپل وستو گیا۔ وہاں اُس کا سارا خاندان اس کا پیرو بن گیا۔ اس کے بعد وہ بنارس اور سارناتھ گیا۔ یہ برہمنوں کے بڑے مرکز تھے۔ وہ اسی طرح پینتالیس سال تک گھومتا رہا اور اپنے پیغام کو لوگوں تک پہنچاتا رہا۔ جب اَسّی برس کی عمر میں اس کی وفات کا وقت قریب آیا تو اُس کا ایک چیلا آنسو بہانے لگا۔ اس پر مہاتما

بُدھ نے کہا۔ "کیا تم سمجھتے ہو کہ تمھارے گورو یا اُستاد کے مرنے کے بعد دُنیا ختم ہو جائے گی۔ مَیں نے جو اصول اور سنگھ قائم کیے ہیں وہ ہمیشہ رہیں گے۔"

ہمارے مغربی پاکستان میں اس کے سنگھ مُدّتوں کام کرتے رہے۔ ہمارے ہاں ٹیکسلا میں ان کی ایک بہت بڑی یونیورسٹی تھی۔ یہاں چِین تک کے طالب علم پڑھنے کے لِیے آتے تھے۔ اِس کے عِلاوہ پشاور اور دوسری جگہوں پر بھی ان کے بڑے بڑے مرکز تھے۔ مہاتما بُدھ کا بڑا کارنامہ یہی ہے کہ اس نے برہمنوں کے زور کو توڑا۔ غرِیبوں اور شُودروں کو گلے لگایا اور اپنا پیغام ان کے دِلوں تک پہنچا دیا۔

سکندر کا حملہ

ہمارے ہاں سے دُور مغرب میں بحیرۂ رُوم کے کِنارے ایک مُلک ہے اُسے یُونان کہتے ہیں۔ آج سے کوئی تئیس سَو سال پہلے یہاں کی ایک چھوٹی سی ریاست میں ایک بادشاہ ہو گزرا ہے جِسے سکندر اعظم کہتے ہیں۔ وہ بچپن سے ہی بڑی بڑی فتوحات کے خواب دیکھتا تھا



جب وہ بادشاہ بنا تو سب سے پہلے اُس نے سارے یونان کو فتح کر لیا اور اُس کے بعد جو ایک فوج لے کر نکلا تو سیلاب کی طرح بڑھتا ہی چلا گیا۔ پہلے شام اور مصر کو فتح کیا۔ اس کے بعد ایران کے بادشاہ کو شکست دی۔ مغربی پاکستان اس زمانے میں ایران کی سلطنت کا ایک صوبہ تھا۔ سکندر نے یہاں کی دولت کی بڑی بڑی داستانیں سُنی ہُوئی تھیں۔ ایران سے اُس نے پاک و ہند کا رُخ کیا۔ اب تک سکندر کو کوئی مشکل پیش نہ آئی تھی لیکن جب اُس نے چترال اور سوات کے راستے پاکستان میں آنے کا ارادہ کیا تو وہاں کے قبائلی لوگوں نے اس کی فوج کا زبردست مقابلہ کیا اور سکندر کو ان کے خلاف گیارہ مہینے برابر جنگ کرنی پڑی، تب کہیں جاکر اسے دریائے سندھ تک پہنچنے کا راستہ ملا۔ سندھ سے گزر کر وہ دریائے جہلم کے کنارے پہنچا تو اس کا راستہ راجا پورس نے روک لیا۔

کچھ عرصے تک دونوں فوجیں دریا کے آر پار پڑی رہیں آخر ایک رات جب موسلادھار بارش ہو رہی تھی تو سکندر نے کئی میل اُوپر کا چکّر دے کر اپنی فوجیں دریا کے پار اُتار دیں اور پورس کی فوج پر اچانک حملہ کر دیا۔ پورس کو شکست ہوئی اور وہ سکندر کے سامنے لایا گیا۔ سکندر نے کہا "بتاؤ تمھارے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے"۔ پورس بولا "جیسا بادشاہ، بادشاہوں سے کرتے ہیں"۔ سکندر اِس جواب سے بہت خوش ہُوا اور پورس کا مُلک اُس کو واپس دے دیا۔ سکندر آگے بڑھ کر دریائے بیاس کے کنارے پہنچ گیا۔ یہاں اس کے سپاہیوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا اِس لیے سکندر واپس ہُوا اور دریائے جہلم کے راستے سمندر کی جانب روانہ ہُوا۔ راستے میں اسے بڑے جنگ جُو قبیلوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ جب وہ ملوئی قبیلے کے قلعہ کا محاصرہ کر رہا تھا تو وہ مرتے مرتے بچا۔ اِسی طرح لڑتا بھڑتا آخرکار حیدرآباد (سِندھ) پہنچ گیا اور یہاں سے خشکی کے راستے عراق چلا گیا جہاں بابل کے مقام پر بخار میں مبتلا ہو کر وفات پا گیا۔

جب دو قومیں آپس میں ملتی ہیں تو وہ ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ ضرور سیکھتی ہیں۔ سکندر کے ساتھ بہت

سے عالم آئے تھے۔ انھوں نے ہمارے ملک کے بارے میں بہت دِل چسپ حالات لکھے۔ ان سے ہمیں اس زمانے کی تارِیخ کے بارے میں بہت سی دِلچسپ معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اِس کے علاوہ سکندر یہاں سے بھی عالموں کو اپنے ساتھ لے گیا۔ اِس طرح دونوں مُلکوں میں عِلمی میل جول قائم ہو گیا۔ یونانی سنگ تراشی کا کام خوب جانتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ وُہ بڑے خوبصُورت سکّے بناتے تھے۔ عالموں کی رائے ہے کہ ہمارے ہاں کے لوگوں نے یہ فنّ یونانیوں سے سیکھے سِکندر خود تو چلا گیا تھا لیکن اُس کے بعض جرنیلوں نے اس کے بعد اپنی سلطنت قائم کر لی۔ ان کی وجہ سے ہمارے ملک کا یونانیوں کی تہذیب کے ساتھ ایک عرصے تک تعلّق رہا اور اس کا کئی باتوں پر اثر پڑا۔

مشقیں اور سوالات

1 مندرجہٗ ذیل کی تشرِیح کرو:

(ا) پتھّر کا قدیم زمانہ (ب) پتھّر کا جدید زمانہ (ج) کانسی کا زمانہ۔

2 کِسی دُوسرے ملک میں مقِیم دوست کے نام خط لِکھو اور اس میں وادیٔ سِندھ کی تہذیب کے حالات بیان کرو۔

3 (ا) وادیٔ سِندھ کی تہذیب کے متعلق جو اہم چیزیں مِلی ہیں، ان کی فہرست تیّار کرو۔

(ب) جو مُہریں موہن جوڈرو کے لوگ استعمال کرتے تھے اُن میں سے کسی ایک کا خاکہ کھینچو۔ اُن میں سے زیادہ تر مُہریں عجائب خانے میں مِلیں گی۔ اگر تمھارے شہر میں عجائب گھر ہے تو وہاں جاکر ان کا مطالعہ کرو۔

4 مغربی پاکستان کا نقشہ بناؤ اور اس میں مندرجۂ ذیل کا نِشان دو:

(ا) موہن جُوڈرو (ب) ہڑپّا (ج) وادیٔ پوٹھوہار (د) ٹیکسلا۔ اِن سب کی تاریخی اہمیت بتاؤ۔

5 آریا کون تھے؟ ان کا اِبتدائی وطن کہاں تھا؟ وہ کیوں باہر نِکلے اور کِس کِس طرف پھیلے؟ اور کہاں کہاں آباد ہُوئے؟

6 موہن جوڈرو اور ہڑپّا کے باشِندوں کی تہذیب و تمدّن کا مقابلہ آریاؤں کی تہذیب و تمدّن سے کرو۔ ان میں سے کس کا درجہ اُونچا تھا؟

7 آریاؤں نے ذات پات کا جو نظام قائم کِیا تھا، اس کی وضاحت کرو۔

8 گوتم بُدھ کا حال سادہ لفظوں میں لِکھو۔

9 سکندر کے حملے کا حال ایک کہانی کے طور پر سُناؤ یا لِکھو

دُوسرا باب

مُسلمانوں کی آمد

عرب تاجر پاک و ہند میں

عرب لوگ پاک و ہند میں سب سے پہلے تجارت کے سلسلے میں آئے۔ ان کے جہاز بصرے سے چل کر کراچی پہنچتے تھے اور یہاں سے ہندوستان کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلتے تھے اور سب بندرگاہوں پر رُکتے جاتے تھے۔ کراچی کو اُن دِنوں میں دیبل کہتے تھے۔ ہندوستان کی بحری یا سمندری تجارت زیادہ تر عربوں کے ہاتھ میں رہی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی، کہ اُونچی ذات کے ہندو اِس پیشے کو اچھّا نہیں سمجھتے تھے۔ دُوسرے ان کا عقیدہ تھا کہ جو ہندو کشتی میں سوار ہوکر ہندوستان سے باہر جاتا ہے اُس کا مذہب جاتا رہتا ہے۔ جب عربوں نے اِسلام قبول کر لیا تو اُن کے دِلوں میں کام کرنے کا نیا جوش پیدا ہُوا اور یہ لوگ زیادہ تعداد میں پاک و ہند کی بندرگاہوں پر آنے لگے۔ انھوں نے

سیلون، جنوب مغربی ہندوستان اور مشرقی پاکستان کے ساحل پر اپنی بستیاں بنا لیں۔ ہندوستان کے راجاؤں کو عربوں کی تجارت سے بڑی آمدنی تھی۔ اسی لیے وہ لوگ ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ یہ لوگ ملاحی کے کام میں بڑے ماہر ہوتے تھے۔ اس لیے ہندو حکومتیں بحری بیڑے بناتی تھیں تو ان ہی کو بھرتی کرتی تھیں۔ ان کی بندرگاہوں کے بڑے افسر بھی مسلمان ہوتے تھے۔ بندرگاہوں پر مسلمان تاجروں کی بستیاں آباد تھیں۔ بستیوں میں اُن کے اپنے قاضی ہوتے تھے۔ ان عربوں کی اولاد اب تک جنوبی ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں آباد ہے۔ یہ لوگ اسلام کو اپنے اپنے علاقوں میں پھیلاتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ تجارت کے لیے ملایا، انڈونیشیا وغیرہ جاتے تھے تو وہاں بھی اسلام کی اشاعت کرتے تھے۔ ان ملکوں میں اسلام انھی عرب تاجروں کی وجہ سے پھیلا۔ نویں صدی عیسوی کے آخر میں مالابار کے ایک راجا نے اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ اپنا وطن چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے عرب میں جا بسا تھا۔ زمانہ حال تک، جب مالابار کا نیا راجا گدی پر بیٹھتا تھا، تو اُس وقت عربوں کا لباس پہنتا تھا۔ اِس رسم کو

ایک مسلمان ادا کرتا تھا۔ جس وقت راجا گدی پر بیٹھتا تو تلوار اٹھا کر کہتا تھا کہ مَیں یہ تلوار اُس وقت تک بلند رکھوں گا جب تک میرا چچا مکّہ معظّمہ سے واپس نہ آ جائے۔

سِندھ پر حملہ

عرب لوگ پاک و ہند کے ساتھ تجارت کرتے رہے۔ انھوں نے کبھی اِس مُلک پر حملہ نہیں کِیا۔ لیکن خلیفہ ولید اوّل کے زمانے میں انھیں سِندھ پر حملہ کرنا پڑا۔ ولید دمشق میں اس زمانے میں اِسلامی دنیا کا خلیفہ تھا۔ حملے کی ایک وجہ تو یہ ہُوئی کہ سِندھ کے راجا داہر نے مسلمانوں کے خلاف اِیرانیوں کا ساتھ دِیا تھا اور ان کی امداد کے لیے فوج بھیجی تھی۔ اِس کے علاوہ اس نے اِسلامی سلطنت کے چند باغیوں کو اپنے ہاں پناہ دی تھی۔ لیکن شاید اس پر بھی مسلمان سِندھ پر حملہ نہ کرتے۔ تیسری بات یہ ہُوئی کہ عربوں کے ایک جہاز کو دیبل کے قریب لوٹ لِیا گیا۔ یہ اس زمانے کی ایک بڑی بندرگاہ تھی اور کراچی کے قرِیب واقع تھی۔ عربوں کا ایک جہاز سیلون سے آ رہا تھا۔ عربوں کے جہاز سیلون آتے جاتے تھے اور بعض عرب تاجر وہاں آباد بھی ہو گئے تھے۔

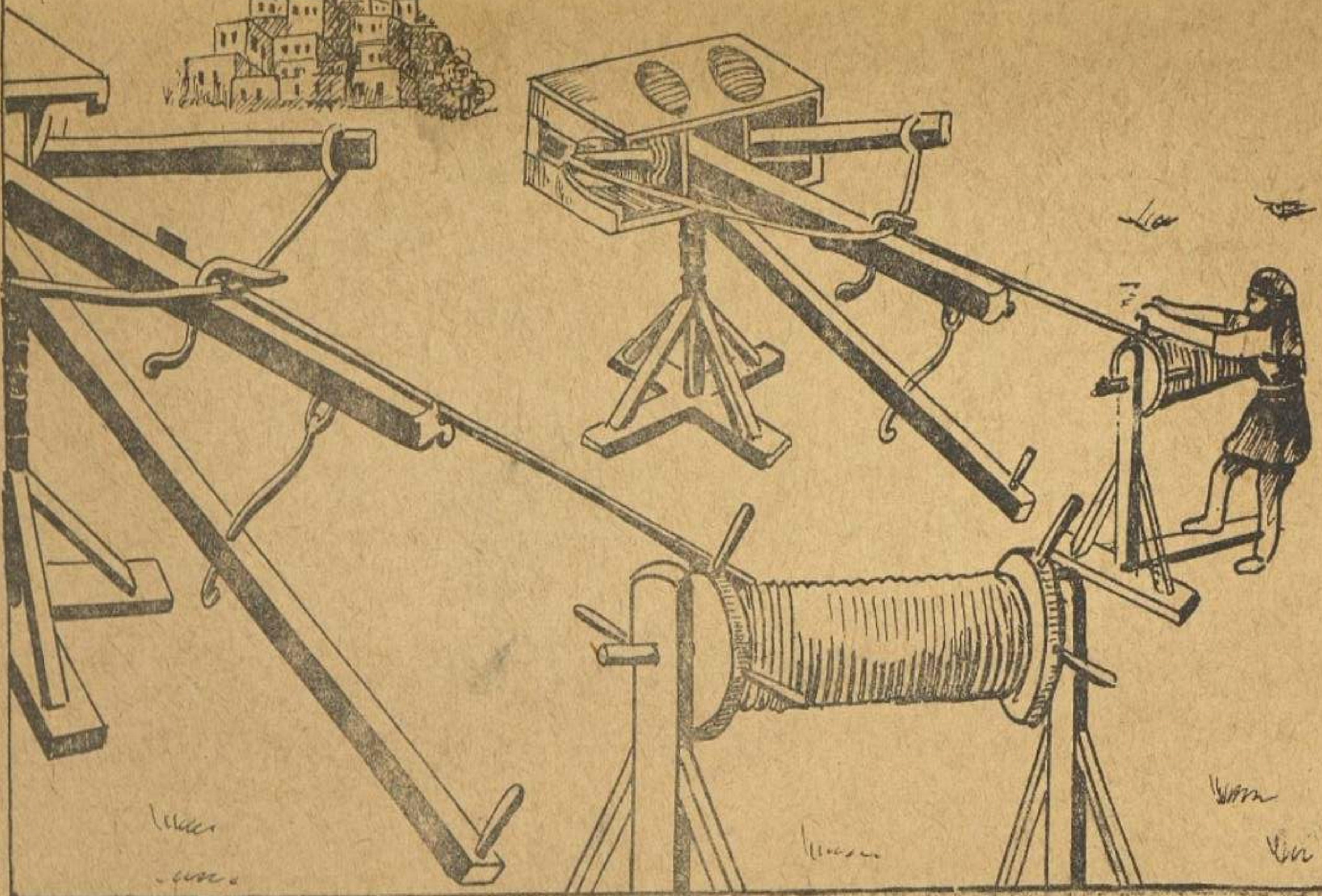
ان میں سے بعض تاجروں کی وہاں وفات ہوگئی تو سیلون کے راجا نے ان کے مال و اسباب اور بیوی بچّوں کو جہاز کے ذریعے بصرے بھیج دیا۔ اس کے ساتھ خلیفہ کے لیے تحفے بھی بھیجے۔ جس وقت یہ جہاز دیبل کی بندرگاہ کے نزدیک سے گزرا تو اسے سمندری ڈاکوؤں نے لُوٹ لیا اور عورتوں اور بچّوں کو قیدی بنا لیا۔ تاجروں کے یہ خاندان بصرہ کے رہنے والے تھے۔ اُس زمانے میں وہاں کا گورنر حجّاج تھا۔ جب ڈاکوؤں نے ان کو لُوٹنا شروع کیا تو ایک عورت نے چلّا کر کہا کہ اَے حجّاج ہماری مدد کو پہنچ۔ کچھ لوگ بچ کر نکلے تو اُنھوں نے بصرے پہنچ کر حجّاج کو اپنی مصیبت کی کہانی سُنائی۔ جس وقت حجّاج نے عورت کی دُہائی کے الفاظ سُنے تو اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا اور وہ کہنے لگا "آ رہا ہوں! آ رہا ہوں!" اس کے ساتھ ہی اس نے داہر کے نام ایک خط لکھّا کہ قیدیوں کو فوراً رہا کر دیا جائے اور ڈاکوؤں کو سزا دی جائے۔ اس پر داہر نے ٹالنے کی کوشش کی اور کہا کہ ڈاکو میرے اثر میں نہیں۔ حجّاج کو یہ خط مِلا تو اس نے مجبور ہوکر اپنے بھتیجے محمدؐ بن قاسم کو چھ ہزار کی فوج کے ساتھ

داہر پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔

محمد بن قاسم کی عمر صرف سترہ سال تھی۔ چونکہ یہ مہم بڑے دُور و دراز کے سفر پر جا رہی تھی اس لیے حجاج نے اس فوج کی تیاری میں خود حصّہ لیا۔ اس نے سواری کے لیے چھ ہزار سانڈنیاں مہیّا کیں اور ساز و سامان اُٹھانے کے لیے تین ہزار اُونٹ۔ حجاج نے اُن کے ساتھ ایسا سامانِ جنگ بھی کر دیا، جس کا ہندوستان میں رواج نہیں تھا۔ داہر کی فوج کو سب سے زیادہ نقصان اِس نئے سامانِ جنگ نے پہنچایا۔ اس میں پانچ تو منجنیقیں تھیں۔ منجنیق ایک قِسم کی مشین ہوتی تھی جس سے قلعہ کی دیوار پر بڑے بڑے بھاری پتھر پھینکے جاتے تھے اور ان سے قلعے کی دیواریں توڑی جاتی تھیں۔ اِس کے علاوہ حجاج نے ان کے ساتھ یونانی آگ یا نفت کا ذخیرہ بھی کر دیا تھا۔ اسے تیر میں لگا کر دُشمن کی فوج پر پھینکتے تھے۔ جہاں گرتا تھا وہاں آگ لگ جاتی تھی۔ عرب لوگ بعض بیماریوں کا علاج سرکے سے کرتے تھے۔ حجاج نے حکم دیا کہ رُوئی کو سرکے میں بھگو کر خشک کر لیا جائے اور اسے فوج کے ساتھ رکھا جائے۔ تاکہ ضرورت ہو تو اسے



محمدؐ بن قاسم کی فتح سندھ
برّی راستہ
بحری راستہ
بحیرۂ اسود
بحیرۂ خزر کیسپین
خراسان
کابل
پنجاب
ملتان
بہاول پور
منصورہ
راوڑ
دیبل
دریائے سندھ
سندھ
افغانستان
بلوچستان
ایران
فارس
شیراز
بصرہ
کوفہ
دریائے دجلہ
دریائے فرات
شام
(حجاج کا صدر مقام)
حجاز
مدینہ
بحیرۂ قلزم
خلیج فارس
بحیرۂ عرب



منجنیق — عربوں کا ایک جنگی ہتھیار

پانی میں جوش دے کر استعمال کیا جا سکے۔

دیبل کی فتح

محمدؐ بن قاسم ۷۱۱ء میں شیراز چل کر اگلے موسم بہار میں دیبل پہنچا۔ شہر کے اِرد گرد فصیل تھی اور عین بیچ میں مندر تھا۔ اس کے اُوپر ایک سُرخ رنگ کا ریشمی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ شہر کے لوگوں کا خیال تھا کہ جب تک یہ جھنڈا ہوا میں لہراتا رہے گا دیبل فتح نہیں ہو گا۔ محمدؐ بن قاسم نے محاصرہ کیا تو فوج شہر کے اندر بند ہو کر لڑتی رہی۔ آخر کار محمد بن قاسم نے ایک ماہر نشانہ باز کو حکم دِیا کہ وہ کسی نہ کسی طرح جھنڈے کو گرا دے اس نے تاک کر منجنیق کا نِشانہ لگایا تو جھنڈا ٹوٹ کر زمین پر آ گرا۔ جھنڈے کا گرنا تھا کہ دُشمن پر دہشت چھا گئی۔ اور ان کی فوج شہر کے باہر نکل آئی۔ دُوبدو لڑائی ہوئی تو وہ تھوڑی دیر میں شِکست کھا گئے۔

داہر سے جنگ

دیبل سے محمدؐ بن قاسم دریائے سِندھ کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا اِس اثناء میں راجا داہر نے اپنی فوج ایک قلعے میں جمع کر لی تھی۔ عربوں نے کشتیوں کا پُل بنا کر دریائے سِندھ کو پار کیا اور اچانک دُشمن کے سر پر پہنچ گئے

رمضان کے مہینے میں گھمسان کا رَن پڑا۔ داہر کی فوج میں ہاتھیوں کا ایک رسالہ تھا اور وہ خود بھی ہاتھی پر سوار تھا۔ ایک تیر انداز نے تاک کر نشانہ مارا تو نفت کا تیر ہاتھی کے ہودے میں گرا۔ اس کے ساتھ ہی آگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔ داہر گھبرا کر ہاتھی سے اُتر گیا۔ فوج کو جب راجا نظر نہ آیا تو ہر طرف شور مچ گیا کہ داہر مارا گیا۔ اس پر فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ راجا کو ایک عرب سپاہی نے قتل کر دیا۔ اِس طرح سے میدان محمد بن قاسم کے ہاتھ رہا۔ داہر کی شکست کے بعد سندھ کے سب شہر ایک دوسرے کے بعد فتح ہوتے گئے۔ اور راور، برہمن آباد اور ملتان کے باشندوں نے اطاعت قبول کر لی۔

ملتان کی فتح کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ خلیفہ سلیمان نے جو اس زمانے میں اسلامی سلطنت کا حکمران تھا، محمد بن قاسم کو واپس بُلا لیا۔ وہ محمد بن قاسم کے خاندان سے خوش نہیں تھا۔ محمّد بن قاسم نے عراق میں وفات پائی۔ اس کی یاد سندھ کے لوگوں کے دِلوں میں تازہ رہی۔ ہندوستان کے لوگ جب کسی سے خوش ہوتے تھے تو اس کا بُت بنا کر مندر میں

رکھتے تھے۔ محمد بن قاسم کے جانے کے بعد سندھ کے لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا اور اس طرح انھوں نے اس کی نیکی کی یادگار تازہ رکھی۔

سندھیوں سے فیّاضی کا برتاؤ

سندھ کے برہمن راجا اپنی رعایا کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے تھے۔ وہاں کے ایک راجا نے جاٹوں اور میدیوں کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ وہ گھوڑوں پر زین ڈال کر سوار نہیں ہو سکتے۔ عمدہ کپڑے نہیں پہن سکتے۔ سر پر پگڑی یا ٹوپی بھی نہیں رکھ سکتے اور نہ ہی تلوار لگا سکتے ہیں۔ محمد بن قاسم نے ان کو اس غلامی سے نجات دلائی۔ اب وہ آزاد اور شریف انسانوں کی زندگی بسر کرنے لگے۔ محمد بن قاسم نے بُدھ بھکشوؤں اور برہمنوں سے بھی بہت اچھا سلوک کیا۔ ان کو جزیہ یا ٹیکس معاف کر دیا۔ جو شخص سرکاری ملازمت میں آ جاتا تھا اُسے بھی یہ ٹیکس معاف کر دیا جاتا تھا۔ اِس سے پہلے برہمن لوگ لگان وصول کرنے کا کام کرتے تھے۔ محمد بن قاسم نے یہ کام دوبارہ انہی کے سپرد کر دیا۔

فتحِ سِندھ کے اثرات

مسلمانوں کی فتح کا سِندھ پر بڑا اثر پڑا۔ پہلے سِندھ دنیا سے الگ تھلگ تھا۔ اب یہ اسلامی دنیا کا ایک حِصّہ بن گیا۔ سِندھی لوگ اِسلامی فوج اور دُوسرے محکموں میں ملازم ہونے لگے۔ اِسلامی فوج میں سِندھ کے زط (جاٹ) لوگوں کی بڑی تعداد بھرتی ہو گئی۔ سِندھی حِساب کِتاب رکھنے والے اپنے کام میں بڑے ماہر ہوتے تھے۔ بصرے کے عرب سوداگر ان کو اپنے ہاں منشی رکھنے لگے۔ عرب لوگ جہاں بھی گئے وہاں انھوں نے نیکی اور بھلائی کا پیغام پہنچایا۔ اس کے اثر سے ہزاروں سِندھیوں نے اِسلام قبول کر لیا اور ان میں سے بعض نے مذہبی علوم سیکھے اور اِن میں بہت اچھی کِتابیں لِکھیں۔ سِندھیوں کو عربی ادب سے بھی دِلچسپی ہو گئی اور ان میں سے بعض اس زبان میں شعر کہنے شروع کر دِیے۔ عباسی خلیفوں کے زمانے میں بغداد میں دُنیا بھر کی اچھی کتابوں ترجمہ کرنے کا دفتر قائم کِیا گیا۔ اس میں سِندھ کے علما بھی ملازم رکھے گئے۔ ان میں سے ایک کا نام منکہ تھا۔ اس نے سنسکرت کی بہت سی کِتابوں

جو طِب۔ ریاضی اور ستاروں کے علم پر تھیں عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ خود سندھی زبان عربی حرفوں میں لکھی جانے لگی۔ اس میں عربی کے بہت سے الفاظ شامل ہو گئے۔ اور اِس طرح سندھ اِسلامی دنیا کا ایک حِصّہ بن گیا۔

وَیسے تو عرب، سِندھ کے ساتھ پہلے بھی تجارت کرتے تھے لیکن سِندھ کی فتح کے بعد اِس تجارت کو اور بھی ترقّی ہُوئی۔ دیبل مشرقی اور مغربی ایشیا کے درمیان بہت بڑی بندرگاہ بن گیا۔ چین کے چِینی کے برتن، جنوبی ہند کے قیمتی پتھر اور جواہرات، ہندوستان کی جڑی بُوٹیاں، کافور، نیل، ہاتھی دانت، دھاتوں کی بنی ہُوئی چیزیں اور سِندھ کے نفیس جُوتے، چمڑے کے صندوق اور فولادی تلواریں، دیبل سے اِسلامی مُلکوں اور یورپ میں پہنچنے لگیں۔ مسلمانوں نے کھیتوں کو پانی دینے کے طریقوں میں ترقّی کی تھی۔ سِندھ کے کِسانوں نے ان سے پانی دینے کے نئے طریقے سیکھے اور وہ اپنے ہاں اچھّی قسم کی فصلیں تیّار کرنے لگے۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ سِندھ میں عربوں کی آمد یہاں کے عام لوگوں کے لیے خُدا کی رحمت تھی۔

مشقیں اور سوالات

1 بتاؤ عربوں نے سندھ پر حملہ کیوں کیا؟ دیبل اور ملتان کی
کے حالات بیان کرو۔

2 عربوں کی فتوحات کس لحاظ سے سندھ کے لیے ایک خاص
نعمت تھیں؟

3 اس باب کے جن حصوں میں فتح سندھ سے پہلے پاک و
کے ساتھ عربوں کی تجارت اور ساحلی علاقوں میں آبادی
حالات لکھے ہیں انھیں غور سے پڑھو اور بتاؤ:
(ا) عرب یہاں کس طرح زندگی بسر کرتے تھے؟
(ب) ان کی عزت کیوں کی جاتی تھی؟

4 تم نے جاں بازی کی کوئی کہانی پڑھی یا سنی ہو تو اُسے
ذہن میں رکھ لو اور محمد بن قاسم کے حالات بھی جاں باز
کی ایک کہانی کی شکل میں لکھو یا سناؤ۔

تیسرا باب

سُلطان محمُود غزنوی

محمُود کی تخت نشینی

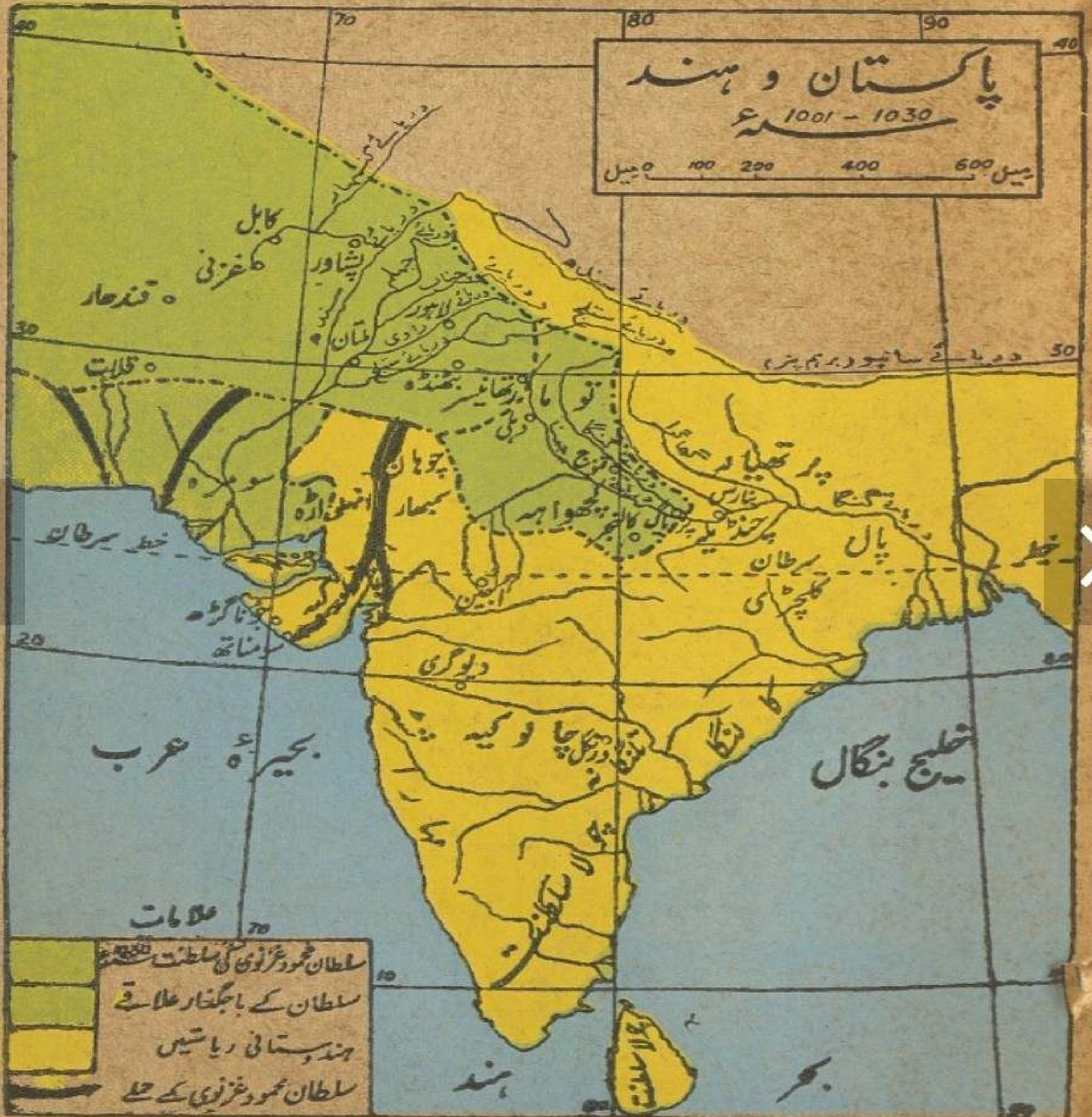
محمُود غزنی کے بادشاہ سبکتگین کا بیٹا تھا۔ وہ ۹۷۱ء میں پیدا ہُوا۔ اس نے بڑی اچھی تعلیم پائی تھی۔ وہ قرآن مجید کا حافظ تھا۔ اس نے فِقہ اور حدیث کی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ اس میں ملک کا اِنتظام کرنے کی بڑی قابلیت تھی اور اس کے ساتھ وہ جنگ کے فن میں بھی بڑا ماہر تھا۔ محمُود ۹۹۸ء میں تخت پر بیٹھا۔

اگر تم افغانستان کا نقشہ دیکھو تو تمھیں کابل کے جنوب میں غزنی کا شہر نظر آئے گا۔ آج سے نو سو سال پہلے یہ شہر ایک بڑی سلطنت کا صدر مقام تھا۔ اِس سلطنت کی بُنیاد سبکتگین نے ڈالی تھی۔ سُلطان محمُود اس کا بیٹا ۹۹۸ء میں تخت پر بیٹھا۔ وہ پہلا مسلمان بادشاہ ہے جس نے شمالی ہندوستان کو فتح کیا۔ اس زمانے میں مغربی

پاکستان کے علاقے میں راجاؤں کا ایک خاندان حکومت کرتا تھا جسے ہندو شاہیہ کہتے تھے۔ اس کے راجا جے پال کو سبکتگین نے شکست دی تھی، مگر اس کی وفات کے بعد جے پال نے دوبارہ حملہ کیا۔ اس کی فوج میں بارہ ہزار سوار، تیس ہزار پیادہ فوج اور تین سو جنگی ہاتھی تھے۔

جنگِ پشاور ۱۰۰۱ء

لڑائی شروع ہوئی تو جے پال کی فوج کو شکست ہوئی اس جنگ میں بہت سا مالِ غنیمت ملا۔ ان میں موتیوں کے پندرہ ہار بھی تھے۔ جن میں ہر ایک کی قیمت اسی ہزار دینار یا اشرفی تھی۔ جے پال خود قیدی ہو کر غزنی لایا گیا۔ آخر کار اڑھائی لاکھ دینار اور پچاس ہاتھی دینے کے وعدہ پر رہائی پائی۔ لیکن اسے اس شکست کا ایسا صدمہ ہوا کہ واپس آکر چتا میں جل مرا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے انند پال نے حملہ کیا۔ اس کی امداد کے لیے شمالی ہندوستان کے بہت سے راجاؤں نے فوجیں بھیجیں۔ عام لوگوں نے اپنی حیثیت کے مطابق روپیہ پیسہ بڑھ چڑھ کر امداد کی۔ دونوں فوجوں کا پشاور کے قریب آمنا سامنا ہوا۔ محمود بڑا سمجھ دار سپہ سالار تھا۔ چونکہ اس مرتبہ ہندوستان کی فوج تعداد میں بہت زیادہ تھی



پاکستان و ہند
سنہ ء 1001 - 1030
میل 600 400 200 100 0 میل
کابل
غزنی
قندھار
پشاور
ملتان
قلات
بحیرۂ عرب
خلیج بنگال
ہند
علامات
سلطان محمود غزنوی کی سلطنت
سلطان کے باجگذار علاقے
ہندوستانی ریاستیں
سلطان محمود غزنوی کے حملے

اِس لیے اس نے اپنے کیمپ کے گِرد خندق بنا لی اور دُشمن کا اِنتظار کرنے لگا۔ شروع میں تھوڑی بہت جھڑپیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد محمُود کی فوج نے خندق کو پار کر کے حملہ کِیا تو انند پال کی فوج مَیدان چھوڑ کر بھاگی۔ محمُود کے سپاہیوں نے ان کا دو دِن اور دو رات تک پیچھا کِیا۔ اب سلطان نے اِرادہ کر لیا کہ وہ ہندوشاہیہ سلطنت کو ختم کر دے گا اور سارے علاقے میں امن و امان قائم کر دے گا۔

محمُود نے ہندوستان پر کُل سترہ حملے کیے۔ شمالی پاک و ہند پر اس کے حملے 1022ء تک جاری رہے ان حملوں میں اس نے ملتان، نگرکوٹ، لاہور، تھانیسر، متھرا، قنوج اور کالنجر فتح کر لیے۔

سومنات کی مہم
1025ء سے 1026ء

محمُود کا آخری بڑا حملہ سومنات پر ہُوا جو کاٹھیاوار کے مغربی ساحل پر واقع تھا اور وہاں ہندوؤں کا ایک مشہور مندر تھا۔ اس میں ایک بہت بڑا بُت تھا۔ اسے سومنات یا چاند دیوتا کہتے تھے۔ عربوں کے وہ جہاز جو چین سے افرِیقہ کو جانے والے راستے پر سفر کرتے تھے وہ یہاں ٹھہرتے تھے۔ اِس

مندر کے نام دو ہزار گاؤں تھے اور یہاں مال و دولت کا کوئی شمار نہیں تھا۔ اس کے بُت کو سارے مُلک میں بڑی عزّت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اِس کے غسل کے لیے ہر روز دریائے گنگا سے پانی آتا تھا۔ جو وہاں سے سات سو مِیل کے فاصلے پر تھا۔ سلطان نے شمالی پاک و ہند میں بہت سے شہروں کو فتح کر لیا تھا لیکن سومنات اب تک بچا ہُوا تھا۔ وہاں کے پُجاری کہتے تھے کہ محمُود نے دوسرے شہروں کو اِس لیے فتح کر لیا ہے کیونکہ چاند دیوتا ان سے ناراض تھا۔ ہمارے دیوتا کے مندر کو دُنیا کی کوئی طاقت فتح نہیں کر سکتی اس پر سلطان نے فیصلہ کیا کہ خواہ کچھ بھی ہو، سومنات کو ضرور فتح کیا جائے گا۔

وہ غزنی سے چل کر ۹ر نومبر کو سب سے پہلے ملتان ٹھہرا۔ ملتان سے آگے سینکڑوں مِیل تک ریگستان کا راستہ تھا۔ جہاں کوسوں پانی کا نام و نشان نہیں ملتا تھا۔ اِس لیے سلطان نے سب سے پہلے پانی کا انتظام کیا۔ ہر سپاہی کو دو دو اُونٹ صِرف پانی لادنے کے لیے دے دیے گئے۔ ان کے علاوہ مزید بیس ہزار اُونٹوں پر پانی لاد لیا گیا۔ اس کے بعد

سلطان ملتان سے نکلا۔ اوچ اور راجپوتانے میں سے تیزی کے ساتھ گزرتا ہُوا علاقہ گجرات (کاٹھیاواڑ) میں داخل ہو گیا۔ وہاں سے ہوتا ہُوا سومنات جا پہنچا۔

جنگ سومنات

سومنات کا مندر ایک قلعہ کی طرح مضبوط تھا۔ مسلمان دو دِن تک برابر قلعہ پر حملے کرتے رہے مگر اس کی فصیل پر نہ چڑھ سکے۔ تیسرے روز گجرات اور دُوسرے علاقوں کے راجا فوجیں لے کر پہنچ گئے۔ یہ بڑی مشکل کا وقت تھا۔ سلطان نے خدا کی درگاہ میں دُعا مانگی۔ اس کو شیخ ابوالحسن خرقانی نے ایک جُبّہ عنایت کِیا ہُوا تھا اس کو پہن لِیا اور گھوڑے پر سوار ہوکر فوج کا دِل بڑھانے لگا۔ فوج نے بھی ایسا ساتھ دِیا کہ تھوڑے عرصے میں دُشمن کو شکست فاش ہو گئی۔ سومنات کی فتح کی خبر ساری اِسلامی دنیا میں پھیل گئی۔ اِس خوشی میں خلیفہ بغداد نے سلطان، اُس کے بیٹے اور بھائیوں کو خطاب دِیے۔

محمُود کی وفات

سومنات سے واپسی کے بعد محمُود زیادہ عرصہ زِندہ نہ رہا۔ اس کی ساری عمر لڑائیوں میں بسر ہوئی تھی۔ اِس وجہ سے

اس کی صحت خراب ہو گئی اور اس نے اپریل 1030ء میں وفات پائی۔

محمود کی فتوحات کا اثر

سلطان محمود پہلا مسلمان حکمران تھا، جس نے شمالی پاک و ہند پر حملہ کیا۔ اس نے اپنے حملوں سے ہندوؤں کے دلوں پر اپنی دھاک بٹھا دی۔ ہندوؤں پر اپنی کمزوری ظاہر ہو گئی اور اس طرح اس نے مسلمانوں کے لیے پاک و ہند کی فتح کا راستہ ہموار کر دیا۔ ان جنگوں میں اسے بے شمار مال و دولت ملی۔ وہ یہاں سے اچھے کاریگر بھی لے گیا۔ انھوں نے غزنی کے شہر کو ایک دلہن کی طرح آراستہ کر دیا۔ اس نے ہندوستان کا بہت سا علاقہ فتح کر لیا تھا۔ اس میں سے بہت سا حصہ تو اس نے ہندو راجاؤں کے پاس رہنے دیا۔ یہ راجا سلطان کو خراج دیتے تھے لیکن اس نے مغربی پاکستان کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور اپنے وفادار غلام ملک ایاز کو لاہور کا حاکم بنا دیا۔ سلطان محمود کے بعد اس کا خاندان مغربی پاکستان پر کوئی ڈیڑھ سو سال تک حکومت کرتا رہا۔ یہ غزنوی خاندان کے نام سے مشہور

ہے۔ اس کا سب سے بڑا اثر یہ ہُوا کہ یہ عِلاقہ اِسلام کے اثر میں آگیا اور یہاں بڑے بڑے بزرگوں نے لوگوں میں اِسلام پھیلانا شروع کر دِیا۔

اِسلام اور اِسلامیت

محمود کی فتوحات کا سب سے زبردست اثر یہ ہُوا کہ اس علاقے میں اِسلام بہت تیزی سے پھیلنے لگا۔ اِس کام میں بڑے بڑے بزرگوں نے حِصّہ لِیا۔ اس سِلسلے میں سب سے پہلے شیخ اسماعیل بخاریؒ 1005ء میں لاہور آئے۔ اُن کے اثر سے ہزاروں آدمیوں نے اِسلام قبول کر لِیا۔ اِس طرح اور بزرگوں نے بھی اسلام کی بہت خدمت کی۔ غزنوی خاندان کے زمانے میں بہت سے عالم اور شاعر مغربی پاکِستان میں آکر بس گئے۔ ان میں سے ایک شاعر کا نام مسعود بن سعد سلمان تھا۔ اس کو لاہور کے شہر سے بڑی محبت تھی اس نے اس کی تعرِیف میں بہت اچھے شعر لکھے ہیں۔ انھیں تم آج بھی پڑھو تو اپنے صُوبے کے اِس شہر سے اور بھی محبت کرنے لگ جاؤ۔ ان کے اس زمانے کا ایک مشہور سائنس دان البیرونی بھی ہمارے صوبے میں مدت تک رہا۔ اس نے یہاں کے شہروں کے طول بلد

اور عرض بلد معلوم کیے اور ہندوؤں کے رسم و رواج کے بارے میں ایک دِلچسپ کِتاب لکھی۔ البیرونی سنسکرت زبان جانتا تھا اور اس نے اس زبان کی کئی ایک کتابیں عربی میں ترجمہ بھی کیں۔

محمود کی سیرت

سلطان محمود بہت دِیندار اور عدل اور انصاف والا حکمران تھا۔ انصاف کے سامنے وہ دوست دُشمن کی تمیز نہیں کرتا تھا۔ محمود نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے اور اس نے ایک بھی شِکست نہیں کھائی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ فنونِ جنگ میں بڑی مہارت رکھتا تھا اور جنگ کی تیاری میں بہت سوچ سمجھ کر کام کرتا تھا۔ وہ اکثر ایسے ہتھیار استعمال کرتا تھا جو دُشمن کے پاس نہیں ہوتے تھے۔ اس کی فوج جب ہندوستان کی فوج پر نفت یا آتشی گولے پھینکتی تھی تو ان کے جنگی ہاتھیوں میں بھگدڑ مچ جاتی۔ اس نے اپنے غلاموں کو ہاتھیوں پر قابو پانے کی بھی خاص مشق کرائی تھی۔ ایک بار جب گوالیار کے راجا نے سلطان کی فوج پر ہاتھی چھوڑے تو سلطان کے ترک غلاموں نے ان پر آسانی سے قابو پا لیا۔ سومنات پر حملہ

کرنے کے لیے جب اسے راجپوتانے کا صحرا پار کرنا پڑا تو اس نے اونٹوں اور پانی کا خاص انتظام کیا۔ چونکہ اسے بہت سی قوموں سے جنگ کرنے کا موقعہ ملا تھا اس لیے جیسی ضرورت ہوتی تھی اسی کے مطابق طریقِ جنگ استعمال کرتا تھا۔ کبھی خندق بناتا تھا کبھی کشتیوں میں بیٹھ کر حملہ کرتا تھا، کبھی اونٹوں پر دھاوے مارتا تھا۔

دربارِ غزنی

محمود کو علم و ادب کا بڑا شوق تھا۔ اس کے دربار میں عالموں اور شاعروں کا مجمع رہتا تھا۔ ان میں سب سے مشہور شاعر فردوسی تھا۔ جس نے شاہ نامہ لکھا ہے۔ اس میں ایران کے پرانے بادشاہوں کی داستانیں ہیں۔ سلطان محمود نے غزنی میں ایک شاندار مسجد بنوائی اور اس کے ساتھ ایک یونیورسٹی قائم کی۔ اس کے لیے ایک بڑا کتب خانہ جمع کیا۔ اس نے غزنی میں عجائب گھر بنایا جس میں دنیا بھر کے عجائبات جمع کیے گئے تھے۔ اس طرح سے اس کے زمانے میں غزنی علم و ہنر کا بڑا مرکز بن گیا۔ سلطان عالموں اور شاعروں کو بڑے بڑے انعامات دیتا تھا۔ کبھی کبھی اس قدر چاندی اور سونا انعام میں

دیتا تھا جس کے وزن کو صرف ہاتھی ہی اٹھا سکتا ہے۔

مذہبی رواداری

سلطان محمود میں مذہبی تعصب نہیں تھا۔ اس نے کبھی کسی غیر مسلم کو زبردستی مسلمان نہ بنایا اور امن کے زمانے میں مذہب کی وجہ سے کبھی کسی اِنسان کا خون نہیں بہایا۔ اس کے ماتحت ہِندوؤں سے رواداری کا برتاؤ ہوتا تھا۔ ہزاروں ہندو غزنی میں آباد تھے۔ اُن کے لیے علیحدہ آبادیوں کا انتظام کِیا گیا تھا۔ انھیں مذہبی رسمیں ادا کرنے کی پوری آزادی حاصل تھی۔ وہ فوج اور دوسرے محکموں میں بھی کام کرتے تھے۔ ان کے لیے سلطان نے ایک خاص افسر مقرّر کِیا ہُوا تھا جسے "سالارِ ہِندواں" کہتے تھے۔ اس عہدے پر سب سے پہلے ایک ہِندو جرنیل مقرّر کیا گیا جس کا نام تِلک تھا۔ تلک فارسی زبان کا بڑا ماہر تھا۔ غزنی کے حکمرانوں کو اس پر پورا بھروسہ تھا۔ محمود کے بیٹے مسعود کے زمانے میں جب لاہور کے حاکم نے بغاوت کی تو اس کے خلاف تِلک ہی کو بھیجا گیا تھا۔ سلطان کی فوج میں ہاتھیوں کا بھی ایک رسالہ تھا۔ اس کے فِیل بان ہندو تھے۔ ان کے افسر کو "سالارِ فیل باناں" کہتے تھے۔

سلطان محمود کو گزرے سینکڑوں سال ہو گئے ہیں وہ ایک بہت بڑا فاتح تھا۔ اپنی رعایا کے ساتھ عدل و اِنصاف سے پیش آتا تھا۔ وہ عِلم و فضل کا بھی بڑا قدردان تھا۔ ان کارناموں کی وجہ سے اس کا نام آج بھی زِندہ ہے اور ہمیشہ زِندہ رہے گا۔

سوالات اور مشقیں

1) پاک و ہند کے نقشے کا ایک خاکہ تیار کرو اور اس میں ان شہروں اور قلعوں کے نام صحیح مقامات پر لکھو، جو محمود نے فتح کیے۔

2 لکڑی کے تختے یا زمین پر ہم جماعتوں کی مدد سے مٹّی کا ایک ماڈل بناؤ جس میں غزنی سے سومنات تک کا راستہ واضح کرو جو محمود نے اختیار کیا۔ راستے کے تمام بڑے بڑے پہاڑ، دریا، صحرا اور شہر بھی واضح کرو۔

3 فرض کرو کہ تم سلطان محمود کے ساتھ غزنی سے سومنات گئے اور ساتھ ہی واپس آئے۔ اِس سفر میں جو حالات پیش آئے، انھیں ایک کہانی کی شکل میں لِکھو یا سناؤ۔ تم یہ کہانی یُوں شروع کر سکتے ہو: "چودہ اکتوبر سنہ 1025ء

کو جمعے کا دن تھا، جب سلطان نے فوج کا معائنہ فرمایا۔ اور اعلان کیا کہ ہمیں سومنات جانا ہے۔ یہ سنتے ہی سپاہیوں کے دل میں خوشی کی لہریں دوڑنے لگیں......"

4 اس باب کا وہ حصّہ دوبارہ پڑھ لو، جس میں سلطان کی فتوحات کے اثرات بیان کیے گئے ہیں۔ پھر چند فقروں میں پانچ اہم اثرات واضح کرو۔

5 اس باب کے وہ حصّے دوبارہ پڑھ لو جن میں مندرجۂ ذیل باتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے پھر ہر ایک کے متعلق ثبوت پیش کرو:-

(ا) محمود کے دل میں اسلام کی اشاعت کا خاص ولولہ تھا۔

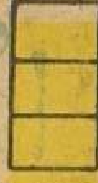
(ب) محمود کی شہرت کا دارومدار اس کی خاص جنگی مہارت پر ہے۔

(ج) محمود عادل اور فیّاض فرمانروا تھا۔

(د) غزنی علوم و فنون کا مرکز تھا۔

(ہ) لاہور اسلامی تہذیب و تمدّن کا مرکز بن گیا۔

(و) غزنی میں ہندوؤں کے ساتھ بڑا اچھا برتاؤ ہوتا تھا۔


سلطنت غوری
(شمالی ہندوستان کا پہلا فاتح)
پیمانہ
میل 60 400 200 100 0 میل
سلطنت غوری سنہ 1190ء میں
مفتوحہ علاقہ سنہ 1192-1205ء
ہندوستانی ریاستیں
کابل
غور
غزنی
قندھار
پشاور
لاہور
راوی
ملتان
بھٹنڈہ
تھانیسر
دہلی
متھرا
قنوج
گوالیار
اجمیر
اجین
کالنجر
بنارس
گجرات
دریائے سندھ
دریائے سانپو (برہم پتر)
دریائے نربدا
دریائے تاپتی
دریائے گوداوری
بحیرۂ عرب
خلیج بنگال

چوتھا باب

دہلی میں سلطنت کا قیام

سلطان معزّالدّین محمّد بن سام غوری

معزّالدّین کی فتوحات

غزنوی خاندان نے ہمارے صُوبے میں کوئی ڈیڑھ سو سال حکومت کی، لیکن آخر کار اس کے حکمران سُست اور آرام طلب ہو گئے اور ان کی جگہ غوری خاندان نے لے لی۔ غور ہرات اور غزنی کے درمیان ایک پہاڑی علاقہ ہے۔ وہاں کے حاکم غیاث الدین محمّد نے غزنی پر قبضہ کر لیا اور اپنے چھوٹے بھائی شہاب الدین محمّد کو وہاں کا حاکم بنا دیا۔ شہاب الدّین نے آگے چل کر معزّالدّین کا لقب اختیار کر لیا۔

معزّالدّین حاکم بنا تو اس کو خیال ہُوا، کہ وُہ غزنوی سلطنت کے سب صوبوں کو اپنے قبضے میں لائے۔ اس نے آہستہ آہستہ ملتان اور اوچ کو فتح

کر لیا۔ کچھ عرصے کے بعد پشاور اور لاہور کو بھی قبضہ میں لے لیا۔ اب اس کی سلطنت کی سرحد دریائے ستلج تک جا پہنچی۔

ترائن کی پہلی لڑائی ۱۱۹۱ء

سلطان نے دریا پار کر کے سرہند کے مقام پر سرحدی چوکی قائم کر دی۔ اس زمانے میں دہلی اور سرہند پر پرتھوی راج کی حکومت تھی۔ وہ راجپوت راجاؤں میں سب سے زیادہ طاقت ور تھا۔ جب سلطان نے سرہند پر قبضہ کر لیا تو پرتھوی راج اسے واپس لینے کے لیے ایک بڑی فوج کے ساتھ آگے بڑھا۔ اس کے ساتھ اور بھی بہت سے راجے تھے۔ اس وقت سلطان کے پاس صرف چند ہزار جانباز تھے۔ دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ترائن کے میدان میں ہوئی، جو کرنال اور تھانیسر کے درمیان ہے۔ سلطان لڑائی میں سخت زخمی ہو گیا۔ ایک وفادار سپاہی نے اس کی جان بچائی۔ سلطان چند ساتھیوں کے ساتھ لاہور پہنچا، پھر غزنی روانہ ہو گیا۔ پرتھوی راج نے قلعہ سرہند کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں نے بڑی جوانمردی سے ایک سال تک مقابلہ جاری رکھا۔ اس کے بعد قلعہ دشمن کے حوالے کرنا پڑا۔ آخر کار قلعہ

اِس شرط پر حوالے کیا گیا کہ فوج کو عزّت و آبرو سے لاہور جانے دِیا جائے۔

سلطان کو اِس شکست

تراوڑی کی دُوسری لڑائی ۱۱۹۲ء

کا بڑا صدمہ ہُوا۔ اس نے میدانِ جنگ سے بھاگنے والے سرداروں پر بڑی خفگی کا اظہار کِیا اور قسم کھائی کہ جب تک اِس شکست کا بدلہ نہیں لے لے گا، آرام کی نیند نہیں سوئے گا۔ ایک سال کے بعد اس نے دوبارہ ہندوستان کا رُخ کِیا اور لاہور سے پرتھوی راج کو پیغام بھیجا کہ سرہند کو خالی کر دے۔ پرتھوی راج پہلے سے بھی زیادہ لشکر جمع کر چکا تھا اس نے سلطان کے پیغام کا جواب توہین آمیز لفظوں میں دِیا۔

تراوڑی کے مَیدان میں پھر مقابلہ ہُوا۔ بڑی خونریز لڑائی ہُوئی۔ راجپوت بہادری سے لڑتے رہے مگر آخر کار شکست کھائی۔ پرتھوی راج ہاتھی سے اُتر کر گھوڑے پر سوار ہو گیا تاکہ جان بچا کر تیزی سے نکل جائے۔ مگر سلطان کے سپاہیوں نے اسے جا لیا اور وہ مارا گیا۔

تراوڑی کی فتح کے بعد بہت سے قلعے سلطان کے ہاتھ آئے۔ ان میں ہانسی، سامانہ اور کہرام کے قلعے

بھی تھے۔ اجمیر پر بھی قبضہ ہو گیا۔ مگر سلطان نے اس کا انتظام پرتھوی راج کے بیٹے کے حوالے کر دیا۔ غزنی روانہ ہونے سے پہلے معزّالدّین نے اپنے لائق ترک غلام قطب الدّین ایبک کو ہندوستان میں چھوڑا۔ اس نے دہلی میرٹھ اور کول (علی گڑھ) بھی فتح کر لیے اور 1193ء میں دہلی کو اپنا مرکزِ حکومت بنا لیا۔

قنّوج کی فتح 1194ء

قنّوج کے راجا جے چند اور پرتھوی راج میں آپس میں ایک مُدّت سے دُشمنی چلی آ رہی تھی۔ پرتھوی راج کے بیٹے کو سلطان نے اجمیر کا راجا بنا دیا تھا۔ جے چند اس کی بھی مخالفت کرتا رہا اور یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ وہ اجمیر پر حملہ کر دے گا۔ سلطان اس کو روکنے کے لیے خود ہندوستان آیا۔ قطب الدّین ایبک بھی اپنی فوج کے ساتھ سلطان سے جا مِلا۔ چندوار (ضلع آگرہ) کے مقام پر لڑائی ہوئی۔ جس میں جے چند نے شکست کھائی اور مارا گیا۔ اِس فتح کے بعد مسلمانوں کا بنارس پر بھی قبضہ ہو گیا۔ اِن فتوحات سے اسلامی سلطنت کی سرحد مشرق میں مُنگھیر تک جا پہنچی جو صوبۂ بہار میں واقع ہے سلطان نے قطب الدّین کو اپنا نائب مقرّر

ر دیا اور خود غزنی کو واپس چلا گیا

بہار و بنگال کی فتح

بہار و بنگال کو بختیار خلجی نے جس آسانی سے فتح کر لیا، اُس کے حالات پڑھ کر اِنسان حیران رہ جاتا ہے۔ بختیار خلجی بہت نڈر اور دلیر آدمی تھا۔ وہ تلوار چلانے میں بڑا ماہر اور جسم کا بہت طاقت ور تھا۔ ایک بار اسے دربار میں ہاتھی سے لڑوا دِیا گیا۔ اس نے ہاتھی کے سر پر ایک گُرز اِس زور سے مارا کہ وہ چنگھاڑ کر پیچھے کو دَوڑا۔ شروع میں بختیار خلجی فوج میں بھرتی ہونے کی کوشش کرتا رہا۔ آخرکار وہ حاکم اودھ کے ہاں ملازم ہو گیا۔ وہاں اُس نے اپنے قبیلے کے بہت سے لوگ جمع کر لیے۔ 1202ء میں وہ تھوڑی سی فوج لے کر بنگال کی طرف بڑھا اور عجیب و غریب جُرأت سے کام لے کر مُٹھّی بھر آدمیوں کے ساتھ نَدیا جا پہنچا۔ یہ شہر اس زمانے میں بنگال کا ایک چھوٹا صدر مقام تھا۔ جاتے ہی راجا کے محل پر حلّہ بول دِیا اور محل کے نگہبانوں اور چوکیداروں پر آسانی سے قابو پا لیا گیا۔ سین خاندان کا آخری راجا لکشمن سین دوپہر کا کھانا کھا رہا تھا۔ وُہ پچھواڑے کی کھڑکی سے کُود کر نکل

بھاگا اور شہر پر بختیار خلجی کا قبضہ ہو گیا۔

ندیا کی تسخیر کے بعد بختیار خلجی نے بنگال کے دوسرے بڑے شہر گوڑ پر قبضہ کیا، جو بنگال کا سب سے بڑا صدر مقام تھا۔ اس کے بعد دو سال تک وہ اپنے فتح کیے ہوئے علاقے کا انتظام بہتر بنانے میں لگا رہا۔

تبّت کی مہم

بختیار خلجی بڑا حوصلہ مند سپاہی تھا۔ 1202ء میں اس نے تبت پر حملہ کیا۔ یہ مہم ناکام رہی۔ واپسی کے تین مہینے بعد وہ ایک غدار سپاہی کے ہاتھوں قتل ہو گیا

بختیار خلجی اپنی رعایا کے لیے بہت رواداری برتتا تھا۔ اس نے مسجدیں تعمیر کرائیں اور مذہبی تعلیم کے لیے مدرسے بنائے۔ اس نے جو مدرسہ رنگ پور میں بنایا وہ صدیوں چلتا رہا۔

معزّالدّین کی وفات

اپنے بڑے بھائی غیاث الدین کی وفات (1203ء) کے بعد معزّالدّین غور کی وسیع سلطنت کا بادشاہ بن گیا تھا۔ یہ سلطنت غور (افغانستان) سے آسام تک پھیلی ہوئی تھی۔ 1205ء میں پنجاب کی کھوکھر فوج نے بغاوت کی تو وہ ان کی سرکوبی کے لیے پاک و ہند میں آیا۔ واپس لوٹ رہا تھا

تو اسے نماز پڑھتے ہُوئے شہید کر دیا گیا۔

سیرت اور کارنامے

معزّالدین ایک اچھا جرنیل ہی نہیں تھا بلکہ وُہ اپنی رعایا کا بھی بڑا خیال رکھتا تھا۔ غزنی اس زمانے میں تجارت کی بہت بڑی منڈی تھی اور یہاں ہندوستان کے ہندُو تاجر اکثر آتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ گجرات کے ایک سوداگر کا بہت سا مال غزنی کی منڈی میں پڑا تھا۔ اس زمانے میں سُلطان کی گجرات کے راجا سے ناچاقی تھی۔ کسی نے کہا کہ گجراتی سوداگر کا مال ضبط کر لینا چاہیے۔ اِس پر سُلطان نے کہا کہ یہ مال ایک امانت ہے۔ اس کے بعد اس کے حکم سے اس مال کو پوری حفاظت سے اس کے مالک کے پاس پہنچا دیا گیا۔ اسی وجہ سے اس نے لوگوں کا دِل ہاتھ میں لے لیا اور ہندوستان میں ایسی سلطنت کی بُنیاد ڈال گیا، جو مُدتوں قائم رہی۔

سلطان معزّالدین اہلِ علم کا قدردان اور سرپرست تھا۔ اس کے زمانے میں جو مشہور اہلِ علم ہو گزرے ہیں، ان میں سے ایک امام فخرالدین رازی بھی تھے۔ اُنھوں نے قرآن مجید کی ایک مشہور تفسیر لکھی۔ سُلطان نے ایک مدرسہ

اجمیر میں قائم کیا۔ دہلی کے ایک مدرسے کا نام اس کے نام پر معزیہ رکھا گیا۔

قطب الدّین ایبک

1206ء سے 1210ء

سُلطان معزّالدّین کا کوئی بیٹا نہیں تھا۔ ایک دفعہ کسی نے اُس کے سامنے اِس بات کا ذِکر کِیا، تو سُلطان اپنے غلاموں کی طرف اِشارہ کرکے بولا: جِس کے اتنے اچھّے غلام ہوں، اُس کو بیٹوں کی کیا ضرورت ہے۔ اس نے اپنے غلاموں کا بیٹوں کی طرح خیال کِیا۔ اُن میں سے قطب الدّین میں قابلیّت کے بہت جوہر تھے قطب الدین ایک ترک خاندان سے تھا۔ وہ چھوٹی عمر میں ہی دشمنوں کے ہاتھوں گرِفتار ہو گیا تھا، جِنھوں نے اسے غلام کے طور پر فروخت کر دِیا۔ اس کے آقا نے اسے اپنے بچّوں کی طرح پالا اور بہت اچھّی تعلیم دِلائی۔ آخر کار اسے سُلطان معزّالدّین نے خرید لیا۔ سُلطان کے دِل پر اس کی قابلیّت اور جاں نثاری کا اِتنا اثر ہُوا، کہ اُس نے قطب الدّین کو بڑے بڑے عہدے دِیے۔ اس نے پاک و ہند کی فتوحات میں بھی بڑے کارنامے

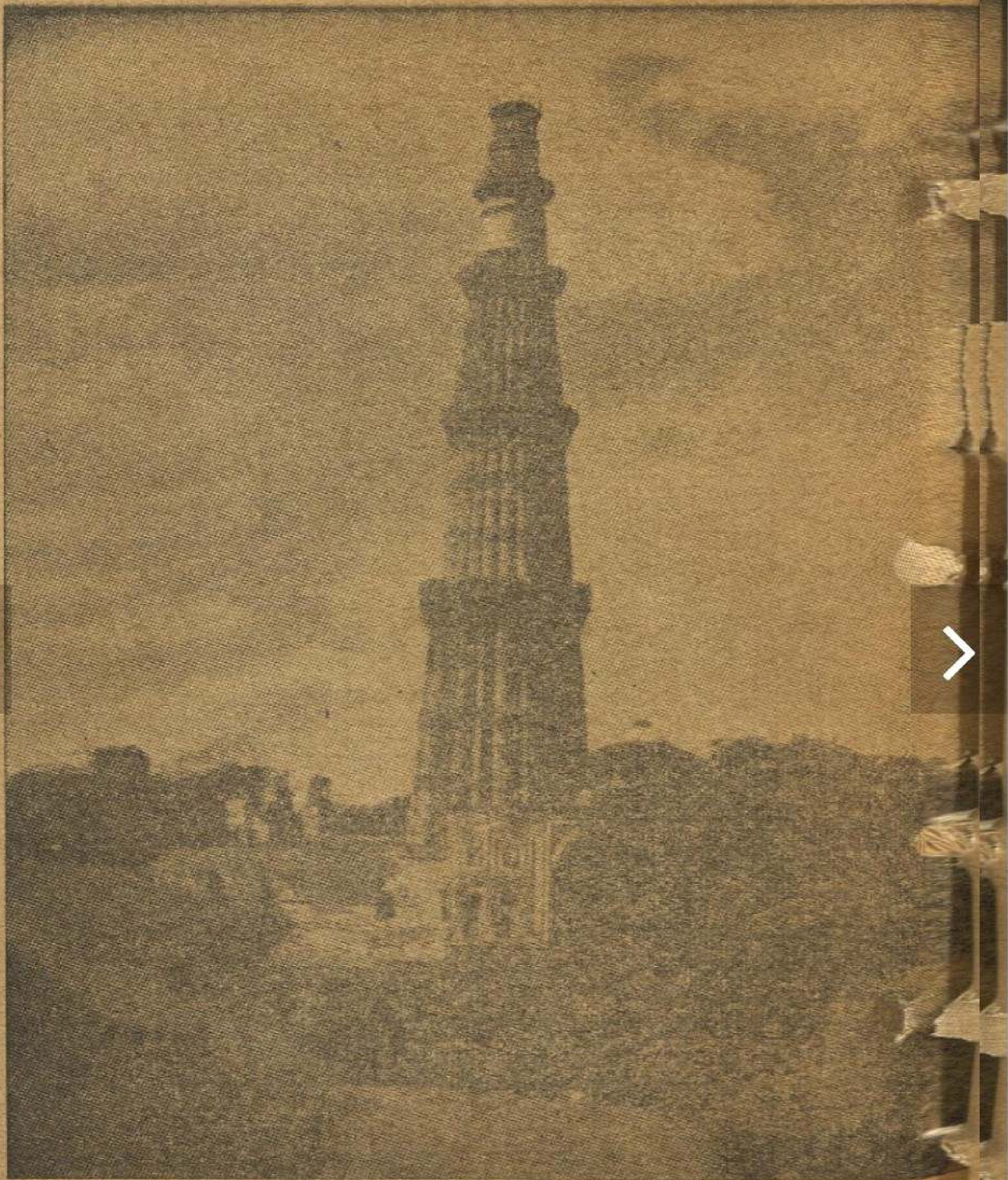
دِکھائے اس سے خوش ہوکر سُلطان نے اس کی شادی اپنی بیٹی سے کر دی۔ سُلطان اس پر بہت بھروسا کرتا تھا۔

جب معزّالدین کی شہادت ہُوئی تو اس کے بعد اس کا بھتیجا سُلطان غیاث الدین محمود غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ اُس نے قطب الدین کی بڑی عزّت کی اور اسے تخت، چتر، جھنڈا اور نقارہ عطا کیا۔ اس زمانے میں اِن چیزوں کو بادشاہی کا نِشان سمجھا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے قطب الدّین کو سُلطان کا خطاب بھی دے دِیا۔ ہِندوستان کے امیروں اور سرداروں نے بھی اس کو اپنا سردار چُن لِیا اور وُہ 1206ء میں لاہور کے شہر میں تخت پر بیٹھا۔ مسلمان جب ہِندوستان میں آئے، تو اپنے ساتھ نئے کھیل بھی لائے۔ ان میں سے ایک کھیل پولو تھا۔ قطب الدین کو پولو کھیلنے کا بڑا شوق تھا۔ 1210ء میں لاہور میں پولو کھیلتے کھیلتے اچانک گھوڑے سے گِر گیا اور اِس حادثے سے اس کی وفات ہُوئی۔

ایبک کے کارنامے

قطب الدین ایبک قابل سپہ سالار تھا۔ بادشاہ کی حیثیت میں وہ عادل، نیک دِل اور سخی مشہور تھا۔ علم و

فضل کا سرپرست اور قدردان تھا۔ اہلِ علم کو بڑے بڑے اِنعام دینے کی وجہ سے لوگ اسے "لک بخش" یعنی لاکھوں روپیہ بخشش کرنے والا کہتے تھے۔ کبھی کبھی وہ اِنعام میں اِتنا روپیہ دیتا تھا کہ اس کے بوجھ کو ایک ہاتھی ہی اُٹھا سکتا تھا۔ اِس لیے اس کا نام فیل بخش بھی پڑ گیا تھا۔ اس نے بہت سی مسجدیں اور مدرسے بھی بنائے۔ اس نے دِہلی میں قوّت الاسلام کے نام سے ایک مسجد شروع کی اور ایک زبردست مینار بھی بنایا۔ یہ مینار آج بھی قطب مینار کے نام سے دُنیا بھر میں مشہور ہے ایبک اپنی رعایا سے رواداری کا سلوک کرتا تھا۔ اس نے اپنی فوج میں بہت سے ہندوؤں کو بھی ملازم رکھا ہوا تھا۔ مال کا محکمہ تو پورے کا پورا ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا۔ سُلطان کو تعلیم سے بھی بہت دِل چسپی تھی۔ اس نے مُلک میں تمام اُستادوں اور عالموں کی تنخواہیں مقرر کر دی تھیں۔ انھیں یہ تنخواہیں سرکاری خزانے سے ملتی تھیں۔ اس نے شاہراہوں کو ڈاکوؤں اور لٹیروں سے پاک کر دِیا۔ تجارت کو ترقّی دی۔ تعلیم کی حوصلہ افزائی کی۔ اس زمانے کے ایک مصنّف نے لِکھا ہے کہ ایبک کے عہدِ حکومت میں عام لوگ خوش اور مطمئن تھے اور



قطب مینار

انصاف کا ایسا دَور دَورہ تھا کہ شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے۔

سوالات اور مشقیں

1 پاک و ہند کے نقشے کا خاکہ تیّار کرو۔ پھر اُس میں وہ تمام اہم مقامات لکھو، جو معزّالدین محمّد بن سام اور قطب الدین ایبک نے فتح کیے۔

2 اِس باب کو پڑھ کر مندرجۂ ذیل کے لیے ثبوت پیش کرو:۔

(ا) سلطان معزّالدین قابل سپہ سالار تھا۔

(ب) اس نے تجربات سے بہت کچھ سیکھا۔

(ج) وہ سخی اور عادل حکمران تھا اور اہلِ علم کی سرپرستی کرتا تھا۔

(د) تراوڑی کی دوسری لڑائی فیصلہ کن تھی۔

3 دو پیروں میں بیان کرو کہ سُلطان معزّالدین محمّد نے سُلطان محمُود کا شرُوع کیا ہُوا کام مکمل کیا؟

پانچواں باب

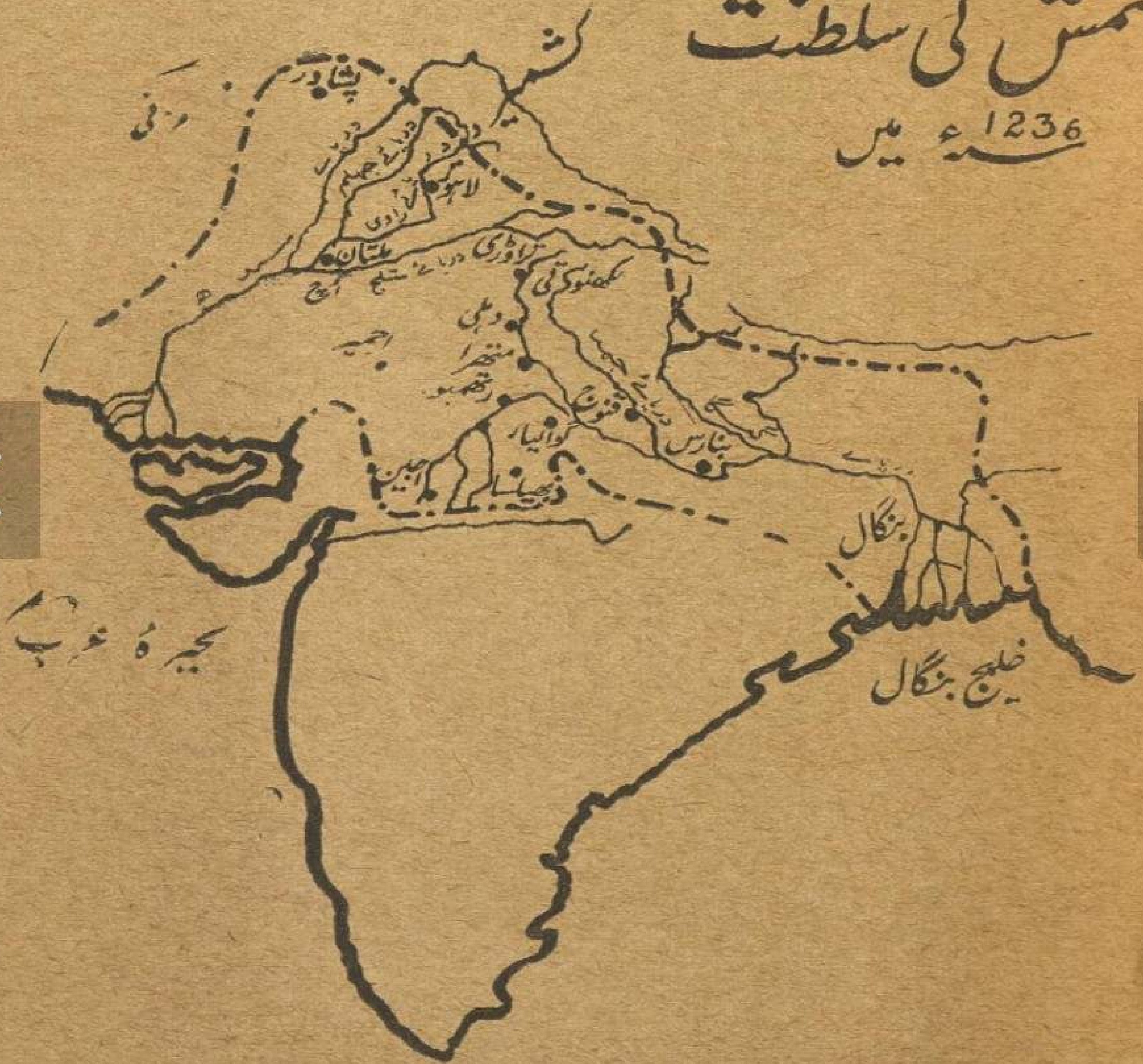
سلطنت دہلی کا اِستحکام

سُلطان شمسُ الدّین التمش

1211ء سے 1236ء

قطب الدین ایبک نے اچانک وفات پائی تو امیروں نے اس کے بیٹے آرام شاہ کو تخت پر بٹھا دِیا لیکن وہ سلطنت کا کاروبار چلانے کے قابل نہ تھا۔ اِس وجہ سے لوگ اس کے خلاف ہو گئے۔ اس وقت سلطنت کو ایک قابل اور زبردست بادشاہ کی ضرورت تھی۔ امیروں نے ایبک کے داماد التمش کو بدایوں سے بُلایا اور وہ سُلطان شمسُ الدین کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔

التمش کا باپ ترکِستان کے ایک قبیلے کا سردار تھا۔ خود التمش بڑا ہونہار اور ہوشیار بچہ تھا۔ بھائیوں نے حسد کی وجہ سے اسے ایک سوداگر کے ہاتھ بیچ دِیا، جو اسے بخارا لے گیا اور وہاں کے قاضی



التمش کی سلطنت
1236ء میں
پشاور
لاہور
ملتان
اچ
دہلی
متھرا
اجمیر
قنوج
بنارس
گوالیار
اجین
بنگال
خلیج بنگال
بحیرۂ عرب

کے ہاتھ بیچ دِیا۔ قاضی نے التمش کی پرورش اپنے بچوں کی طرح کی اور اسے بہت اچھی تعلیم دِلائی۔ بخارا سے وہ غزنی میں قطب الدین ایبک کے پاس آ گیا اور وہ اسے اپنے ساتھ دہلی لے آیا۔ التمش رفتہ رفتہ اس فوج کا سردار بن گیا جو بادشاہ کے ساتھ رہتی اور اس کی حفاظت کرتی تھی۔ جب سُلطان معزالدین نے کھوکھروں سے جنگ کی تو التمش نے اس جنگ میں بہادری کے بڑے جوہر دِکھائے۔ اس پر سُلطان معزالدین بہت خوش ہُوا اور التمش کو اپنے حضور بلایا اور ایبک سے کہنے لگا "تم اس کی قدر کرو اور اِس کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آؤ۔ ایک دِن یہ بہت بڑے کارنامے سرانجام دے گا۔" اس کی خدمات سے خوش ہوکر ایبک نے اسے آزاد کر دِیا اور اس کی شادی اپنی ایک بیٹی سے کر دی۔ اس کے بعد اسے بدایوں کا حاکم بنا دِیا۔

بغاوتوں کا خاتمہ

التمش بادشاہ تو بن گیا لیکن دربار کے امیر اُس کے خلاف ہو گئے۔ وہ سمجھتے تھے کہ وہ بھی بادشاہ کے غلام ہیں اور ان کو بھی بادشاہ ہونے کا ویسا ہی حق

ہے' جیسے التمش کو۔ اس نے پہلے تو ان امیروں کو شِکست دی۔ اس کے بعد اُن باغیوں کی طرف متوجہ ہُوا، جنھوں نے بعض صُوبوں پر قبضہ جما کر بادشاہت کا اِعلان کر دِیا تھا۔ ان میں سے ایک تو غزنی کا حاکم تاج الدین یلدوز تھا۔ یلدوز لاہور پر بھی قبضہ کر چکا تھا۔ التمش نے اسے تھانیسر کے قرِیب شِکست دی۔ پھر ناصر الدین قباچہ حاکمِ ملتان نے لاہور پر قبضہ کرنے کی کوشِش کی۔ التمش نے اُسے بھی شِکست دی اور وہ اوچ کی طرف بھاگ گیا۔ التمش نے 1227ء میں ملتان اور اُوچ فتح کر لیے۔ قباچہ نے بچ نِکلنے کی کوشِش کی مگر بھکّر کے نزدیک دریائے سِندھ کو عبور کرتا ہُوا اپنے خاندان سمیت ڈوب گیا۔

بنگال و بہار کا معاملہ

بنگال کا صُوبہ دِہلی سے دُور تھا۔ وہاں کے حاکموں نے بار بار سر اُٹھایا اور بادشاہ بننے کا اِعلان کیا لیکن التمش نے ہر بار ان کو شِکست دی اور صُوبے میں امن و امان قائم کر دِیا۔ اِس طرح اس نے اِسلامی سلطنت کو شروع میں ہی ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچا لِیا۔

تاتاریوں کے حملے

اس زمانے میں اِسلامی دُنیا کے لیے ایک نیا خطرہ پَیدا ہو گیا - یہ تھی تاتاری قوم - یہ قوم منگولیا کے عِلاقے سے اُٹھی اور ایک دُنیا پر چھا گئی - انھوں نے اپنے سردار چنگیز خاں کے ماتحت پوُری دُنیا میں تہلکہ مچا دِیا اور ایسی تباہی پھیلائی، جس کی مثال نہیں مِلتی۔

چنگیز خاں نے ترکستان میں جلال الدین خوارزم شاہ کو شِکست دی اور اُس کا پیچھا کرتا ہُوا دریائے سِندھ تک پہنچ گیا - التمش کو خطرہ پَیدا ہُوا کہ کہیں تاتاری اس کے ملک پر بھی حملہ نہ کر دیں لیکن تاتاری فوج وہیں سے واپس چلی گئی - چنگیز خاں نے 1227ء میں وفات پائی اور اس کے بیس برس بعد اس کے جانشینوں نے پاک و ہند پر کوئی حملہ نہیں کِیا - اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ دہلی کے حکمرانوں نے ملک اور فوج کا انتظام نہایت اچھا کِیا تھا اِس لیے پاک و ہند اس ہولناک تباہی سے محفوظ رہے -

سلطنت کی توسیع

التمش نے بہت سی فتوحات حاصِل کیں، جن کی وجہ سے اس کی سلطنت کی حدیں دُور دُور تک پھیل گئیں اور

اس کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں۔ اس نے کوہستان شوالک، راجپوتانہ اور مالوہ کے راجاؤں کو اپنی سلطنت کا باجگزار بنا لیا اور بہت سے قلعے بھی فتح کر لیے۔ ان فتوحات سے دہلی کی سلطنت دریائے نربدا کے کنارے تک پہنچ گئی۔

سلطان کے اور کارنامے

التمش علماء اور صوفیاء کی بڑی عزت کرتا تھا۔ وہ اہلِ علم اور شاعروں کی بھی بڑی سرپرستی کرتا تھا۔ اس نے تعلیم کو بھی بہت فروغ دیا اور دہلی میں ایک بڑے مدرسے کی بنیاد رکھی۔ ان باتوں سے اس کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی۔ یہاں تک کہ خلیفہ بغداد نے بھی اس کے لیے سند اور خلعت بھیجا۔ اس زمانے میں یہ بڑی عزت کی بات سمجھی جاتی تھی۔ قطب مینار کی عمارتیں ابھی مکمل نہیں ہوئی تھیں۔ اس نے ان کو مکمل کرایا۔ اس کے عہد میں کئی نئے شہر بھی آباد ہوئے۔ اس نے اچھے سکے بنانے پر بھی خاص توجہ دی اور سونے اور چاندی کے ٹنکے جاری کیے۔ ایک ٹنکے میں ایک تولہ دھات (سونا یا چاندی) ہوتی تھی۔

سلطان کی سیرت

التمش بڑا خدا ترس اور اِنصاف والا بادشاہ تھا۔ اس نے حکم دے دیا تھا کہ جس شخص پر ظلم کیا گیا ہو وہ سُرخ کپڑے پہنے۔ بادشاہ اُسے دُور سے دیکھ کر پہچان لیتا تھا اور اس کی داد رسی کرتا تھا۔ اس نے اپنے دروازے پر زنجیرِ عدل بھی لٹکائی ہُوئی تھی جو مظلوم اسے آکر ہِلاتا اپنی داد پاتا۔ وہ راتوں کو بھیس بدل کر غریبوں کے دروازوں پر جاتا۔ اس کے پاس جو برتن ہوتا تھا اس میں اُوپر گیہوں اور نیچے اشرفیاں رکھی ہُوئی تھیں۔ اِس طرح سے وہ لوگوں کی نظر سے چھُپ کر غریبوں کی امداد کرتا تھا۔ سُلطان حضرت بختیار کاکیؒ کا مُرید تھا۔ حضرت بختیار کاکیؒ نے آخری وقت وصیّت کی تھی کہ ان کا جنازہ ایسا شخص پڑھائے جس نے کبھی نمازِ تہجّد قضا نہ کی ہو۔ جب لوگ نمازِ جنازہ کے لیے اکٹھے ہُوئے تو اِس بات کا اِعلان کیا گیا۔ سارے شہر میں سے کوئی شخص نماز پڑھانے کے لیے آگے نہ بڑھا۔ اس پر خود التمش نے نماز پڑھائی۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ نماز روزے کا کِس قدر پابند تھا۔

سلطانہ رضیّہ 1236ء سے 1240ء

التمش کی وفات کے بعد اس کا بیٹا رکن الدّین تخت پر بیٹھا۔ مگر وہ بڑا نالائق ثابت ہوا۔ اس نے شاہی خاندان کے لوگوں پر بڑی سختیاں کرنا شروع کر دیں۔ آخر کار ایک دن جمعے کے روز دہلی کے لوگ جامع مسجد میں جمع ہوئے۔ یہ مسجد شاہی محل کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ رضیّہ نے مظلوموں کا سُرخ لباس پہنا اور چھت پر آ کر کھڑی ہو گئی۔ وہاں سے اس نے لوگوں پر اپنے باپ کے اِحسانات جتائے اور یہ بتایا کہ رکن الدّین کیسے کیسے ظلم ڈھا رہا ہے۔ اس کی تقریر کا یہ اثر ہوا کہ لوگوں نے رکن الدّین کو وہیں مسجد میں گرفتار کر کے قید خانے بھیج دیا۔ اس کے بعد رضیّہ تخت نشین ہوئی۔ التمش کا خود بھی خیال تھا کہ رضیّہ اپنے بھائیوں سے زیادہ لائق ہے اور تخت پر بیٹھنے کی زیادہ حق دار ہے۔ ایک مرتبہ جب اس کو دہلی کے باہر جانا پڑا تو وہ رضیّہ کو ہی اپنا قائم مقام کر گیا تھا۔

رضیّہ سلطانہ بڑی قابل اور دلیر تھی۔ اس کے

باپ نے اسے بہت اچھی تعلیم دلائی تھی ۔ وہ شہ سواری اور فنونِ جنگ میں بھی بڑی ماہر تھی ۔ تخت نشینی کے بعد اس نے پردہ اُتار دیا اور مردانہ لباس میں ہر روز دربار میں بیٹھنے لگی ۔

رضیّہ کی حکمرانی

رضیّہ کے تخت پر بیٹھتے ہی امیروں نے سازشیں شروع کر دیں ۔ رضیّہ نے ان میں سے بعض کو اچھے عہدے دیے ۔ دُوسروں کو اِنعام و کرام کا وعدہ کیا اور اس طرح سے بہت سے امیروں کو اپنے ساتھ ملا لیا ۔ لیکن اودھ کے امیروں کی سازشیں جاری رہیں ۔ اور انھوں نے اپنی فوجوں کے ساتھ دہلی کا رُخ کیا اور دریائے جمنا کے کنارے خیمے لگا دیے ۔ رضیّہ نے ان کو میدانِ جنگ میں بُری طرح شکست دی اور انھیں جھکنے پر مجبُور کر دیا ۔ اسی طرح اور بغاوتیں بھی فرو کیں ۔

دردناک انجام

رضیّہ کا سب سے وفادار امیر ایک حبشی، غلام تھا، جس کا نام یاقوت تھا ۔ اس کی وفاداری کی وجہ سے ترک امیر رضیّہ کے خلاف ہو گئے اور انھوں نے بھٹنڈے

کے حاکم التونیہ کی سرکردگی میں بغاوت کر دی۔ رضیہ التونیہ کا مقابلہ کرنے کے لیے خود فوج لے کر گئی۔ لیکن ترک سرداروں نے یاقوت کو قتل کر دیا اور رضیہ کو گرفتار کر کے التونیہ کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد رضیہ کے بھائی بہرام شاہ کو تخت پر بٹھا دیا۔

رضیہ نے تخت کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی اور بٹھنڈے کے حاکم التونیہ سے شادی کر لی۔ ان دونوں نے ایک لشکر اکھٹا کر کے دہلی کا رُخ کیا۔ لیکن فوج نے ان سے غدّاری کی اور انھیں شکست ہو گئی۔ رضیہ اور التونیہ دونوں بچ کر میدان جنگ سے بھاگ نکلے، لیکن انھیں راستے میں ہندو ڈاکوؤں نے قتل کر دیا۔

ناصرالدّین محمود سنہ 1246ء سے سنہ 1266ء

سنہ 1246ء میں التمش کے ایک اور بیٹے ناصرالدّین محمود کو بادشاہ بنایا گیا۔ اس کو دہلی کا "درویش بادشاہ" کہتے ہیں۔ وہ بڑا ہی نیک اور خدا ترس تھا اور بے حد سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اس نے اپنی ذات کے لیے سرکاری خزانے

یہاں یہ التمش کے غلاموں میں داخل ہو گیا اور آہستہ آہستہ ناصرالدّین محمُود کا وزیر ہو گیا۔

بلبن کی بادشاہی

ناصرالدّین محمُود کے کوئی بیٹا نہیں تھا۔ اُس نے بلبن کو اپنا جانشین بنایا اور وہ 1266ء میں سُلطان غیاث الدّین بلبن کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔ سلطان بن جانے کے بعد اس نے سلطنت کے استحکام اور امن و امان کے لیے بڑی سرگرمی سے کام کیا۔ ایک زبردست فوج تیّار کر لی اور مُلکی انتظام کی دُرستی میں کسر اُٹھا نہ رکھّی۔

بلبن کا یہ دستور تھا کہ روزانہ دُھوم دھام سے دربار لگاتا تھا اور شاہانہ آداب کا بڑا خیال رکھتا تھا۔ دربار میں کسی کو ہنسنے یا نا مناسب بات کرنے کی ہمّت نہ تھی۔ اس کو دربار میں کسی نے کبھی مُسکراتے نہیں دیکھا۔ اس کے رُعب اور دبدبے کی یہ حالت تھی کہ بڑے بڑے امیروں کو دم مارنے کی مجال نہ ہوتی تھی۔ اس کے دربار کی شان تاتاری حملوں کی وجہ سے بھی بہت بڑھ گئی تھی۔ ان کے حملوں کی وجہ

سے بہت سے اسلامی ملکوں کے شہزادوں ، امیروں اور عالموں کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا ۔ یہ سب کے سب بلبن کے دربار میں آ گئے ۔ اس سے اس کے دربار کی شان و شوکت بہت بڑھ گئی ۔ ایک بار تاتاری سفیر اس کے دربار میں آیا تو اس کی فوج اور دبدبے کو دیکھ کر حیران ہو گیا ۔

امن و امان کا قیام

سلطان کے لیے سب سے پہلا کام یہ تھا کہ ملک میں امن و امان قائم کرے ۔ لٹیروں نے خود اس کے دارالسلطنت میں لوٹ مار مچائی ہوئی تھی ۔ میواتی لوگ جو قریب کے جنگلوں اور پہاڑوں میں رہتے تھے ، ان کا حوصلہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ رات کو شہر دہلی کے اندر پہنچ جاتے اور صبح ہوتے ہی لوٹ مار کا بازار گرم کر دیتے تھے ۔ بلبن نے انھیں بڑی سخت سزائیں دیں ۔ دہلی کے آس پاس کے تمام جنگل کٹوا دیے ۔ اب انھیں چھپنے کی کوئی جگہ نہ رہی ۔ گنگا کے دوآبے میں بھی اس نے لٹیروں اور ڈاکوؤں کی جڑیں کاٹ دیں ۔ قلعے تعمیر کرائے اور سڑکیں بنائیں ۔ اس طرح دہلی اور

بنگال کے درمیان آمد و رفت میں کوئی خطرہ باقی نہ رہا۔

بغاوتِ بنگال

بلبن کے زمانے میں بنگال کے حاکم طُغرل نے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دِیا۔ پہلے تو شاہی فوجیں اُس کے مقابلے میں ناکام رہیں۔ آخرکار بلبن خود فوج لے کر پہنچا اور طُغرل کو شکست فاش دی۔ بلبن نے باغیوں کو ایسی سخت سزائیں دِیں کہ لوگوں کے دل کانپ اُٹھے۔ اس نے سزا دینے میں اس لیے سختی کی تھی کہ لوگوں کو دوبارہ حکومت کے خلاف سر اُٹھانے کی جُرأت نہ ہو۔ اس نے اپنے بیٹے بُغرا خاں کو بنگال کا حاکم بنایا اور اسے صاف طور پر بتا دیا کہ جو حاکم بادشاہ کے خلاف بغاوت کرتا ہے، اس کا یہی حشر ہوتا ہے۔

تاتاری

تاتاری لوگ پہلے پہل التمش کے زمانے میں اٹھے اور ایک دنیا پر چھا گئے۔ ان کے سردار چنگیز خاں کے بعد اس کے پوتے ہلاکو نے بغداد پر حملہ کیا۔ خلیفہ کو قتل کر دیا اور سارے شہر کو تباہ و برباد کر دیا۔ بہت سے اِسلامی

مُلک ان کے حملوں کا شکار ہو گئے۔ صرف دہلی کے حکمرانوں کی ہمّت سے پاک و ہند اِس مُصیبت سے محفوظ رہے۔ بلبن کو جب تاتاریوں کے نئے حملوں کی خبر ملی تو اُس نے اپنی سلطنت کی سرحدیں مضبُوط کرنی شرُوع کر دِیں۔ اُس نے لاہور میں ایک مضبُوط قلعہ بنایا اور سرحدوں کے ساتھ زبردست فوجی چوکیاں قائم کِیں۔ سرحد کی حفاظت کے لیے اُس نے اپنے سب سے پیارے بیٹے شہزادہ محمّد کو مقرّر کیا۔ شہزادہ محمّد تاتاری حملہ آوروں کو بار بار بڑی بہادُری سے روکتا رہا۔ وہ تاتاریوں کے خلاف سرحدی جنگوں میں ہی شہید ہُوا۔ شہزادہ محمّد عِلم و ادب کا بڑا قدردان تھا۔ امیر خسُرو، جو فارسی زبان کے مشہُور شاعر تھے، شرُوع میں اسی کے مصاحب رہے تھے۔

سیرت

بلبن سرکش امیروں کے لیے تو بہت سخت تھا، لیکن وہ غریبوں کے لیے بہُت فیّاض اور رحم دل تھا۔ اُس کے مزاج میں انصاف بہُت کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہُوا تھا۔ بدایُوں کے حاکم نے ایک غریب آدمی کو کوڑوں کی ایسی

سخت سزا دی کہ وہ زندہ نہ بچ سکا۔ جب اُس کی بیوی نے بلبن کے دربار میں شکایت کی تو سلطان نے حاکم کو اس کے بدلے میں موت کی سزا دی۔ سلطان صوفیوں اور عالموں کا بھی بڑا قدردان تھا۔ جب وہ بنگال سے واپس آیا تو وہ دہلی میں ایک ایک عالم کے گھر خود پہنچا، اور ان کی خدمت میں تحفے پیش کیے۔ بلبن نماز روزے کا پابند تھا اور وعظ کی مجلسوں میں شریک ہوتا تھا۔ یہ وہ بزرگوں کا بڑا احترام کرتا تھا۔ اس کی ایک بیٹی کی شادی بابا فریدؒ سے ہوئی تھی۔ بلبن سے پہلے کئی کمزور بادشاہ ہو گزرے تھے، ان کی وجہ سے حکومت کا خوف لوگوں کے دلوں سے اُٹھ گیا تھا۔ بلبن کہا کرتا تھا جو بادشاہ اپنا رُعب داب قائم نہیں رکھ سکتا اور لوگوں کے دلوں میں حکومت کا خوف پیدا نہیں کر سکتا، وہ بادشاہت کا کام سر انجام نہیں دے سکتا۔

خاندانِ بلبن کا خاتمہ

بلبن کی وفات کے بعد اس کا پوتا کیقباد تخت نشین ہوا۔ وہ عیش و عشرت کا بڑا دل دادہ

تھا۔ اس لیے اس کو 1290ء میں تخت سے اُتار
دیا گیا۔ اس کے بعد امیروں نے ملک جلال الدّین
خلجی کو بادشاہ بنایا۔

مشقیں اور سوالات

1 مندرجہ ذیل چارٹ ایک بڑے کاغذ پر بناؤ۔ ضروری معلومات اس باب سے حاصل کرو اور وہ معلومات ان خانوں میں لکھتے جاؤ، جن سے اُن کا تعلق ہے۔ چارٹ جس قدر صاف اور عمدہ بنایا جا سکتا ہے، بناؤ تاکہ تم اسے اپنی جماعت کے کمرے میں سجاوٹ کی غرض سے لٹکا سکو۔ ہر سلطان کی ایک چھوٹی سی تصویر بھی بنا لو یا کہیں سے کاٹ کر چارٹ پر لگا لو:

دہلی کے ابتدائی بادشاہ

سلطان کا نام اور حکمرانی کا زمانہ	ابتدائی حالات	کارنامے	سیرت

2 اس باب کو پھر ایک مرتبہ پڑھو اور ان شخصوں کی فہرست بنا لو، جن کا نام اس باب میں آیا ہے، مگر بادشاہوں کے نام شامل نہ کرو۔ ہر نام کے سامنے ایک یا دو فقروں میں واضح

کرو کہ وہ شخص کس وجہ سے مشہور تھا۔

3 اس دور کے پاک و ہند کا تاریخی نقشہ سامنے رکھو اور مندرجہ ذیل مقامات، علاقوں یا دریاؤں کے نام تلاش کرو:
لاہور، دہلی، اجمیر، بٹھنڈا، سرہند، تھانیسر، ملتان، قنوج، کول، کالنجر، اودنت، پوری، ندیا، گوڑ، لکھنوتی، اوچ، بھکر، دوآبہ گنگا، دریائے سندھ، دریائے نربدا۔

4 التمش اور بلبن میں سے ہر ایک کے حال کا خلاصہ دس پندرہ سطروں میں لکھو۔

5 رضیہ میں بہت سی خوبیاں تھیں، مگر اس کا انجام بڑا دردناک ہوا۔ کیا تم بتا سکتے ہو، کیوں؟

6 تم مندرجہ ذیل کے لیے کیا ثبوت پیش کر سکتے ہو؟
(أ) التمش نے سلطنتِ دہلی کو وسعت دی۔
(ب) ناصرالدین محمود خدا ترس اور نرم دل بادشاہ تھا۔
(ج) بادشاہی کے بارے میں بلبن کا اپنا خاص نظریہ کیا تھا۔
(د) بلبن عادل بادشاہ تھا۔

چھٹا باب

سلطنتِ دہلی کی توسیع اور زوال

خلجی خاندان (۱۲۹۰ء سے ۱۳۲۰ء)

جلالُ الدّین فیروز خلجی
۱۲۹۰ء سے ۱۲۹۶ء

جلال الدّین خلجی کو بلبن نے سامانہ کا حاکم مقرّر کیا تھا۔ سامانہ ایک مشہور سرحدی چوکی تھی۔ جلال الدّین نے تاتاریوں کے خلاف بڑے جوہر دکھائے تھے۔ اسی لیے امیروں نے اس کو بادشاہ بنایا۔ جلال الدّین بہُت بہادُر تھا، لیکن اس میں ایک کمزوری تھی۔ وہ بہت ہی نرم مزاج تھا۔ وہ ڈاکوؤں اور چوروں کو بھی سخت سزا دینا پسند نہ کرتا تھا۔ اس کی نرم مزاجی کی وجہ سے بادشاہ کی ہیبت امیروں کے دل سے اُٹھ گئی۔ اس لیے حکومت کے لیے سخت خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس کے بھتیجے علاءُ الدّین کو ڈر ہوا کہ اگر یہی

حال رہا تو حکومت اُن کے خاندان سے جاتی رہے گی

علاءُ الدّین بادشاہ کا بھتیجا اور داماد تھا۔ وہ

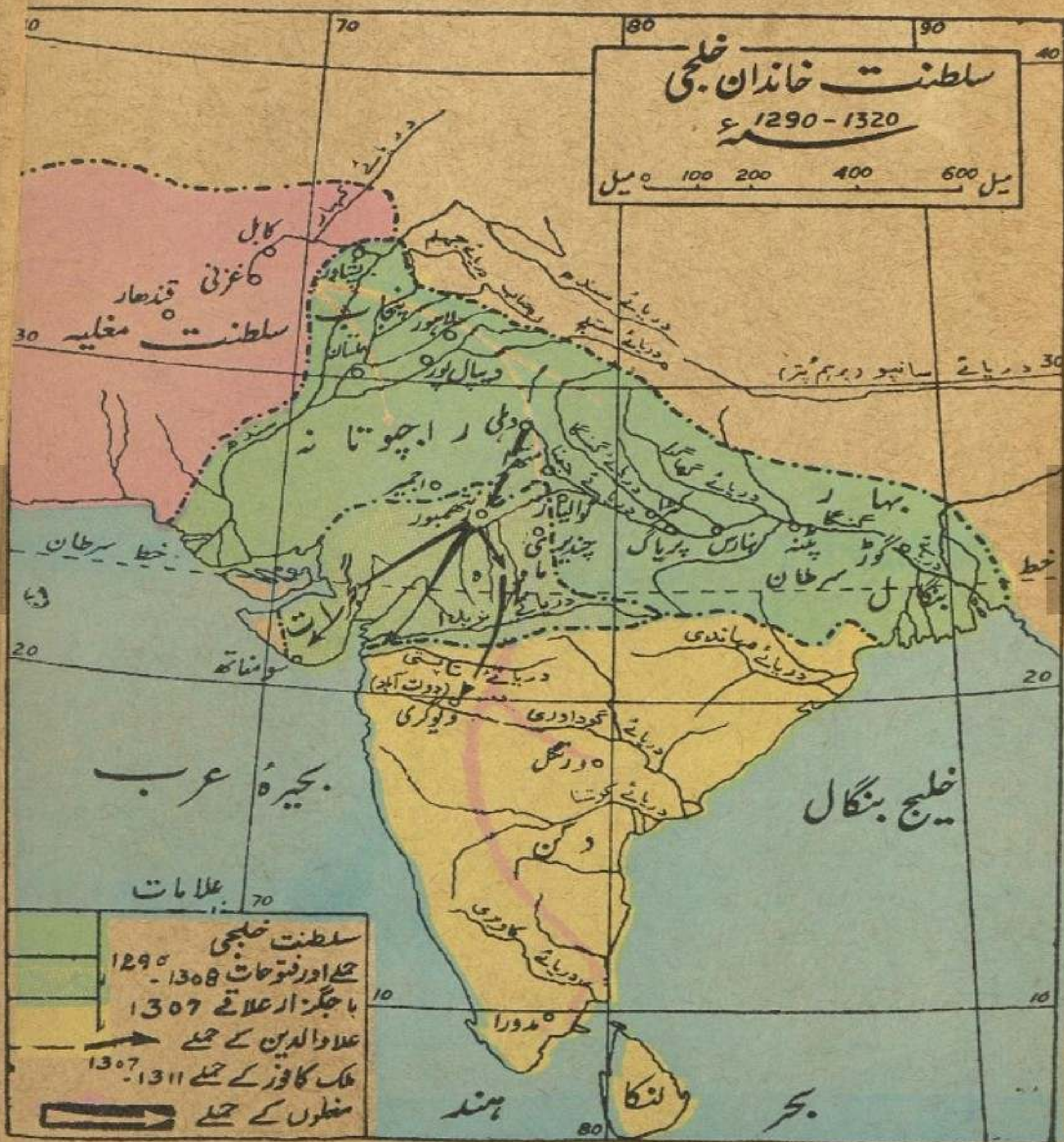
علاءُ الدّین کا دیوگری پر حملہ

سنہ 1294ء

اودھ میں ایک جگہ کڑا[1] کا حاکم تھا۔ اُس نے دکّن کے ایک شہر دیوگری یا دَولت آباد کی دَولت کے قصّے سُنے ہُوئے تھے۔ اس لیے اُس نے اس کو فتح کرنے کا پکّا ارادہ کر لیا۔ دُشمن کو دھوکا دینے کے لیے اُس نے یہ مشہُور کر دیا کہ وہ ایک اور شہر چندیری[1] کے راجہ کے خلاف فوج لے کر جا رہا ہے لیکن اُس کی بجائے اُس نے دیوگری کا رُخ کیا اور شہر پر اچانک حملہ کر دیا۔ اِس فتح میں اُسے بے شُمار دَولت ہاتھ لگی۔ اِدھر امیروں کو پہلے سے ہی خیال ہو گیا تھا کہ اس وقت مُلک کو ایک زبردست اور سخت بادشاہ کی ضرُورت ہے۔ انھوں نے علاءالدّین کے ساتھ ساز باز شرُوع کر دی۔ اِس لیے جب علاءُ الدّین دیوگری سے واپس آیا تو اُس کا چچا اُس

---

[1] وسطِ ہند کا ایک مقام، جس کا قلعہ بہت مضبوط سمجھا جاتا تھا۔



سلطنت خاندان خلجی
1290-1320 سنہ ع
میل 600 400 200 100 0 میل
70
80
90
40
30
20
10
سلطنت مغلیہ
کابل
غزنی
قندھار
پنجاب
لاہور
ملتان
دیپالپور
دہلی
راجپوتانہ
اجمیر
رنتھمبور
گوالیار
چندیری
مالوہ
بہار
بنگال
پٹنہ
بنارس
پریاگ
گوڑ
خط سرطان
گجرات
سومناتھ
دریائے تاپتی
دیوگری (دولت آباد)
گوداوری
ورنگل
دریائے کرشنا
دکن
کاویری
مدورا
لنکا
بحیرۂ عرب
خلیج بنگال
بحر ہند
دریائے سانپو (برہم پتر)
دریائے مہاندی
دریائے ستلج
دریائے گنگا
علامات
سلطنت خلجی
حملے اور فتوحات 1290-1308
باجگزار علاقے 1307
علاؤ الدین کے حملے
ملک کافور کے حملے 1307-1311
مغلوں کے حملے

سے ملنے کے لیے آیا - جلال الدین ملاقات کے دوران میں مارا گیا اور اس کی جگہ علاء الدین تخت نشین ہوا -

علاءُ الدّین محمّد شاہ خلجی

سنہ 1296ء سے سنہ 1316ء

علاءُ الدین پاک و ہند کے چند بڑے حکمرانوں میں شمار ہوتا ہے - اُس نے اپنے عہد میں تاتاریوں کے حملے ختم کر دیئے اسلامی سلطنت کی حدوں کو زیادہ سے زیادہ آگے بڑھایا اور سلطنت کا انتظام بہت بہتر بنا دیا -

تاتاریوں کی یورشیں

علاء الدین خلجی کا ایک بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اُس نے تاتاریوں کے حملوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا - ان کے حملوں کو بلبن نے بڑی کوشش سے روک دیا تھا مگر اُس کی وفات کے بعد ان کے حملے پھر شروع ہو گئے - تاتاری جہاں کہیں جاتے تھے، لوگوں کے دلوں پر خوفناک دہشت بٹھا دیتے تھے - اگر کوئی شہر فتح کرتے تو پہلے اُس کے نوجوانوں کو قتل کر دیتے تھے - پھر بچّوں اور بُوڑھوں کو اور آخر میں مکانوں کو آگ لگا دیتے تھے -

۱۲۹۹ء کا حملہ

تاتاریوں نے علاء الدین کی حکومت کے ابتدائی زمانے میں پاک و ہند پر کئی مرتبہ حملے کیے۔ ۱۲۹۹ء میں وہ پیش قدمی کرتے ہوئے دہلی پہنچ گئے۔ علاء الدین نے دہلی کے قریب ان سے جنگ کی، جو اس کی زندگی کی سب سے بڑی جنگ تھی۔ تاتاریوں نے شکست کھائی۔ علاء الدین کے بہادر سردار ظفر خاں نے میلوں تک ان کا پیچھا کیا۔ خود ظفر خاں مارا گیا، لیکن تاتاریوں کے دل پر اتنی دہشت بیٹھا گیا کہ وہ رات کے اندھیرے میں میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ظفر خاں کی بہادری کا تاتاریوں کے دلوں پر ایسا سکہ بیٹھ گیا تھا کہ جب کسی کا گھوڑا پانی نہیں پیتا تھا تو تاتاری گھوڑے کو کہتا تھا "ڈر کیوں رہا ہے؟ کیا تو نے ظفر خاں کو دیکھ لیا ہے؟"

۱۳۰۳ء کا حملہ

تاتاریوں کا دوسرا بڑا حملہ ۱۳۰۳ء میں ہوا۔ اس مرتبہ بھی وہ دہلی پہنچ گئے۔ کھلے میدان میں تاتاریوں سے جنگ کے لیے علاء الدین کے پاس کافی فوج موجود نہ تھی۔ اس لیے اس نے قلعہ بند ہو کر مقابلہ شروع

کر دیا۔ تاتاریوں نے قلعہ لینے کی کئی بار کوشش کی، لیکن ہر بار ناکام رہے۔ آخر کار تاتاری محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے۔

تاتاریوں کی سرکوبی

تاتاریوں کے پے در پے حملوں کی روک تھام کے لیے علاءُالدّین نے اپنی فوج کو نئے سرے سے مُرتّب کیا۔ سرحدوں پر پُرانے قلعوں کی مرمّت کرائی۔ جگہ جگہ نئے قلعے بھی بنوائے۔ سامانہ، دیپال پور اور ملتان میں زبردست فوجی مورچے قائم کر دیے۔ غازی ملک تُغلق کو دیپال پور کا حاکم مقرّر کیا۔ وہ ایک بہادر سالار تھا اور اس نے تاتاریوں کو بار بار شکستیں دیں۔ ایک حملے میں وہ اپنے ساتھ ساٹھ ہزار فوج لائے تھے۔ غازی ملک نے ان پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ ساٹھ ہزار میں سے صرف تین چار ہزار جان بچا کر نکل سکے۔ ان انتظامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ تاتاریوں کے حملے بالکل رُک گئے۔

علاءُالدّین کی فتوحات

اِس کے بعد علاءُالدّین نے اِن ریاستوں کو فتح کرنا شروع کیا جو ابھی تک راجاؤں کے ماتحت

تھیں ۔ اُس نے گجرات ، راجپوتانہ ، مالوا اور دکن کے وسیع علاقے ہندو حکمرانوں سے چھین لیے ۔ ان مہموں میں علاءُ الدّین اکثر خود شریک رہا ۔ چتوڑ اور رنتھمبور کے محاصروں میں اُس نے جواں مردی کے جوہر دکھائے ملک کافور، اُس کا ایک غلام، گجرات کی مہم میں گرفتار ہُوا تھا ۔ وہ آگے چل کر مشہور سالار ثابت ہُوا ۔ 1306ء اور 1312ء کے درمیان اس نے دکن پر چار مرتبہ حملے کیے اور جنوب تک کا پورا ملک فتح کر لیا ۔

علاءُ الدّین کی اِصلاحات

علاءُ الدّین کی تخت نشینی کے وقت تاتاری حملوں کا خطرہ موجود تھا ۔ اس کی روک تھام کے لیے اس نے سب سے پہلے ملک کے اندرونی خطروں کا انتظام کیا ۔ ملک کے لیے سب سے بڑا خطرہ امیروں کی سرکشی تھا ۔ یہ لوگ راتوں کو آپس میں محفلیں رچاتے تھے ۔ اس میں شراب پیتے ، ایک دوسرے سے میل ملاپ بڑھاتے اور آپس میں رشتہ داریاں کر کے اپنے تعلقات کو اور مضبوط بناتے تھے ۔ بادشاہ نے نے شراب پینا بند کر دیا ۔ اس نے امیروں کو حکم

دیا کہ وہ بادشاہ کی اجازت کے بغیر نہ تو آپس میں دعوتیں کریں اور نہ رِشتے داریاں کریں۔ امیروں کے علاوہ ہندو زمیندار بھی بہت بگڑ چکے تھے۔ اس کی وجہ ان کی دولت تھی۔ بادشاہ نے ان پر اِتنے ٹیکس لگا دِیے کہ ان کے پاس صِرف تن کے لیئے کپڑا اور پیٹ کے لیے روٹی رہ گئی اور ان کے دماغ سے سرکشی کے خیالات ہَوا ہو گئے۔ بادشاہ نے خُفیہ طور پر خبریں معلوم کرنے کا بھی اِنتظام کیا۔ اِس سے اُس کو امیر اور غریب سب کے بارے میں ہر وقت خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔

جِنسوں کی قیمتیں

علاءُالدّین کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے چیزوں کی قیمتوں پر کنٹرول کر دیا اور اس کو بڑی سختی سے کامیاب بنایا۔ اُس کا بڑا فائدہ یہ ہُوا کہ چیزوں کی قیمتیں کم ہو گئیں اور غریب اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے۔ بادشاہ کو سب سے بڑا فائدہ ہُوا کہ اس کی فوج کے سپاہی تھوڑی سی تنخواہ میں بھی اچھی طرح گزارہ کرنے لگے۔ بھرتی ہونے والوں کی کمی نہ رہی۔ اس فوج سے اُس نے تاتاریوں کے

حملوں کی روک تھام کی اور دُوسرے علاقے فتح کر کے اپنی سلطنت کو بہت بڑھا لیا۔ اِس کام کے لیے اس نے سب سے پہلے تو چیزوں کی قیمت مقرّر کر دی۔ اس کے بعد ایسے خاص افسر مقرّر کیے جو قیمتوں کی دیکھ بھال کرتے رہتے تھے اور لین دین میں بے ایمانی نہیں ہونے دیتے تھے۔ جس افسر کے ذمّے منڈیوں کی دیکھ بھال تھی، اسے "رئیس" کہتے تھے۔ "رئیس" یہ دیکھتا تھا کہ ہر تاجر سلطنت کی مقرر کی ہُوئی قیمتوں کے مطابق چیزیں فروخت کرے۔ ایک دُوسرا افسر "رئیسِ پروانہ" تاجروں کو اجازت نامے دیتا تھا۔ اس طرح سے چور بازاری نہیں ہونے پاتی تھی۔ تمام تاجروں کے نام ایک رجسٹر میں درج ہوتے تھے ان کا فرض تھا کہ تمام بیچنے والی چیزوں کو سرکاری منڈی میں لائیں اور مقرّرہ قیمت پر بیچیں۔ اگر وہ چیزوں کو کہیں اور بیچ ڈالتے تھے تو انھیں سخت سزا ملتی تھی۔ بیوپاریوں کو حکومت کی طرف سے قرضے کے طور پر رُوپیہ دیا جاتا تھا۔ وہ اس رقم سے دُور دُور سے جنسیں خریدتے تھے اور اسے منڈی میں لاتے تھے۔ بادشاہ نے ہر جنس کے بڑے بڑے

گودام بنا دیے تھے۔ اگر کسی منڈی میں کسی چیز کی کمی ہو جاتی تھی تو جنس کو ان گوداموں سے نکال کر منڈی میں لے آتے تھے۔ سلطان نے ان گوداموں میں اتنا ذخیرہ کر لیا تھا کہ اس کی وفات کے سولہ سترہ سال بعد تک بھی ختم نہیں ہوا۔ محمّد بن تغلق کے زمانے میں ایک عرب سیّاح ابنِ بطوطہ نے ان گوداموں کو چاولوں سے بھرا ہوا پایا تھا۔

بادشاہ نے کنٹرول کی نگرانی کے لیے افسر تو مقرر کیے ہی تھے، لیکن وہ خود بھی نگرانی کرتا تھا۔ اس کے محل میں چھوٹے چھوٹے بچّے کام کرتے تھے۔ وہ ان کو چیزیں خریدنے کے لیے منڈی میں بھیج دیتا تھا اور جو دُکان دار بددیانتی کرتا تھا، سخت سزا پاتا تھا۔

علاءالدّین کی سیرت اور کارنامے

ایک مؤرّخ نے علاءالدّین کے زمانے کی برکتوں کا حال بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کے عہد میں چیزیں بہت سستی تھیں، غلّہ کثرت سے پیدا ہوتا تھا۔ عام لوگ خوش حال تھے۔

بادشاہ غریبوں اور ضرورت مند لوگوں پر مہربان تھا۔ راستے محفوظ تھے، علم و ادب کو فروغ حاصل تھا۔ اُس کے زمانے میں بڑے بڑے بزرگ اور شاعر ہو گزرے ہیں۔ ان میں سے ایک امیر خسرو بھی تھے۔ امیر خسرو حضرت نظام الدّین اولیاءؒ کے مُرید اور بہُت بڑے شاعر ہُوئے ہیں۔ علاءالدّین نے بعض شان دار عمارتیں بھی بنوائیں۔ اُن میں سے ایک دہلی کا علائی دروازہ بھی ہے۔ علاءُالدّین کے بعد اُس کے جانشین کمزور ثابت ہُوئے اور ان کی وجہ سے اِس خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

غیاث الدّین تغلق اور اُس کے جانشین

سنہ 1320ء سے سنہ 1412ء

غیاث الدّین تغلق

سنہ 1320ء سے سنہ 1325ء

خلجی خاندان کے خاتمے پر امیروں نے غازی ملک تغلق کو بادشاہ بنایا۔ غازی ملک دیپال پور کا حاکم تھا اور اُس نے تاتاری حملہ آوروں کو بڑی بہادری سے روکا تھا۔ اُس کا لقب غیاث الدّین تھا۔ اُس نے سلطنت کا انتظام بہتر

طلائی دروازه



بنانے کے لیے بہُت کوشِش کی اور مال کے افسروں کو حُکم دیا کہ وُہ کِسانوں کا پُورا پُورا خیال رکھّیں۔ غیاث الدّین ایک حادثے میں مارا گیا اور اُس کے بعد اس کا بیٹا محمّد بن تغلق تخت پر بیٹھا۔

سُلطان محمّد بن تُغلق

۱۳۲۶ء سے ۱۳۵۱ء

محمّد بن تغلق بڑی خُوبیوں کا مالک تھا۔ عِلم و ادب میں اپنی مِثال نہیں رکھتا تھا۔ نظم اور نثر دونوں اچھّی لکھتا تھا۔ خُوش نویسی میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ عدل و اِنصاف کے مُعاملے میں وُہ امیر اور غریب میں کوئی تمیز نہیں کرتا تھا، بلکہ اگر کوئی اس کے خلاف بھی شکایت کرتا تھا تو ایک مُلزم کی طرح خُود قاضی کی عدالت میں حاضر ہوتا۔ ایک دفعہ قاضی نے اس پر جُرمانہ کر دیا۔ سلطان نے اسے خُوشی سے ادا کیا۔ ایک بار کسی شخص نے سُلطان کے خلاف یہ دعوٰی کیا کہ اس کے حُکم سے مجھے بے قصُور سزا دی گئی ہے۔ اس مقدّمے میں قاضی نے بادشاہ کو مُجرم قرار دیا اور اس نے قاضی کے فیصلے کو بے چُون و چرا مان لیا۔ سُلطان مذہب کا بہُت پابند تھا۔ وُہ ہندوؤں سے بھی رواداری سے

پیش آتا تھا۔ اس کے زمانے میں ان میں سے بعض کو اونچے درجے حاصل تھے۔ وہ عالموں، شاعروں اور طبیبوں کا قدردان تھا۔ اُن میں سے روزانہ ایک بڑی تعداد کو کھانے میں شریک کرتا اور رخصت کے وقت قیمتی تحفے اور انعام دیتا۔

دُوسرا پایۂ تخت

سُلطان کی سلطنت دکن تک پھیلی ہوئی تھی۔ دکن دہلی سے بہت دُور تھا۔ اس لیے اس نے دکن میں ایک نیا پایۂ تخت بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس کا نام دولت آباد رکھا۔ سُلطان نے فوج کا بڑا حصّہ دولت آباد بھیج دیا۔ اس کے ساتھ دہلی کے لوگوں کو بھی دولت آباد بھیجنے کا انتظام کیا۔ ان کے لیے سفر کی سب آسانیوں کا انتظام کیا۔ لوگوں نے وہاں جانا پسند نہ کیا، لیکن اس کا ایک فائدہ یہ ہُوا کہ مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی سے دولت آباد بس گیا۔ اُن میں مذہبی عُلماء اور صُوفیائے کرام بھی تھے۔ ان کی وجہ سے وہاں اسلام پھیلنے لگا اور دکن میں اُردُو زبان کا رواج شرُوع ہو گیا۔

سِکّوں کے نوٹ

محمّد بن تغلق ہمیشہ مُلک کی

بھلائی کے لیے نئی نئی باتیں سوچتا رہتا تھا۔ چین میں پہلے زمانے سے ہی سکّوں کی جگہ نوٹ چلتے تھے۔ محمّد بن تغلق کے زمانے میں چاندی کی کمی ہو گئی تو اُس نے خیال کیا کہ چاندی کے سکّے کی بجائے تانبے کا سکّہ چلائے اور اس کی بازاری قیمت وُہی رکھّے جو چاندی کے سکّے کی تھی۔ ہمارے ہاں کے نوٹ بھی اسی اصُول پر جاری کیے جاتے ہیں۔ دیکھنے کو تو نوٹ محض کاغذ کا پُرزہ ہوتا ہے، لیکن اُس کی بازاری قیمت وُہی ہوتی ہے، جو اس پر لکھی ہوتی ہے۔ محمّد بن تغلق کا نوٹ اس کا تانبے کا سکّہ تھا، جو چاندی کے سکّے کی قیمت پر چلتا تھا۔ سُلطان نے نوٹ تو چلا دیا، لیکن اُس نے جعلی سکّوں کے بنانے والوں کی روک تھام کے لیے کوئی تدبیر نہ کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں نے لاکھوں کی مقدار میں جعلی سکّے بنانے شروع کر دیے۔ جب سُلطان کا تجربہ ناکام ہو گیا تو اُس نے حکم دے دیا کہ سب لوگ تانبے کے سکّے کو واپس کر دیں اور اس کی بجائے سرکاری خزانے سے چاندی کے سکّے لے جائیں۔ لوگوں نے جعلی اور سرکاری سکّے اتنی بڑی مقدار میں

واپس کیے کہ شاہی خزانے کو سخت نقصان اُٹھانا پڑا۔

مختلف حِصّوں میں بغاوتیں

محمدؐ بن تغلق کی حکومت کے پہلے نو دس سال تو امن و اطمینان سے گزر گئے، لیکن اس کے بعد ہر صُوبے میں بغاوتیں شرُوع ہو گئیں۔ سُلطان بغاوتوں کو ختم کرنے کی برابر کوشِش کرتا رہا اور اُس کی باقی زندگی باغیوں کے ساتھ لڑائی بھڑائی میں گزری۔ آخرکار وہ 1351ء میں ٹھٹھہ کے مقام پر وفات پا گیا۔

ابنِ بطوطہ

محمدؐ بن تغلق کے زمانے میں ہمارے ہاں دُنیا کا ایک مشہُور سیّاح آیا، جس کا نام ابنِ بطُوطہ تھا۔ یہ شمالی افریقہ کا رہنے والا تھا۔ اُس نے اپنے سفرنامے میں یہاں کے بڑے دل چسپ حالات لکھے ہیں۔ سُلطان نے اُس کی بڑی عزّت افزائی کی اور اُسے دہلی کا قاضی یا جج مقرّر کر دیا۔ بعد میں اُسے سفیر بنا کر چین بھی بھیجا۔ ابنِ بطُوطہ نے اُس زمانے کی دہلی کا حال خُوب بیان کیا ہے۔ وہ شہر کی فصِیل اور اُس کے بازار، اُس کے محلّات اور باغات، مسجدوں اور مدرسوں کا ذِکر کرتا ہے۔ اُس نے بادشاہ کے دربار کا حال بھی بیان کیا ہے۔ وہ بتاتا ہے

کہ بادشاہ تہواروں کے جشن مناتا تھا، اُن میں عام لوگوں کو دعوت دیتا تھا اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتا تھا۔ اِس زمانے میں ڈاک چوکی کا جو اِنتظام تھا، اُس کو بھی اِس خُوبی سے بیان کیا ہے کہ اس زمانے کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتی ہے۔ اُس نے بنگال کی سیر بھی کی اور سلہٹ سے سنارگاؤں تک کشتی میں سفر کیا۔ دریا کے کناروں پر دونوں طرف آبادیوں اور باغوں کی بہت کثرت تھی اور ایسا معلُوم ہوتا تھا، جیسے کِسی بازار سے گزر رہے ہوں۔ وُہ بتاتا ہے کہ اس زمانے میں بنگال بہت خُوش حال تھا۔ چیزوں کے نرخ اتنے سستے تھے کہ آج کل کے سکّے کے حساب سے سات روپے میں اتنا غلّہ آجاتا تھا کہ پُورے خاندان کے لیے سال بھر کے واسطے کافی ہوتا تھا۔ بنگال میں صُوفیاء اور عُلماء نے اسلام کا پیغام ہر کونے میں پُہنچا دیا تھا۔ ابن بطُوطہ ایسی جگہوں پر بھی گیا، جہاں راستے کی مشکلات کی وجہ سے پُہنچنا مشکل تھا، لیکن وہ جہاں بھی گیا، وہاں کسی نہ کِسی بُزرگ کے ذریعے اسلام کا پیغام پہنچ چُکا تھا۔

سُلطان فیروز شاہ

1351ء سے 1388ء

محمدؐ بن تغلق کے کوئی بیٹا نہیں تھا۔ اس لیے اس کے بعد اُس کا چچا زاد بھائی فیروز شاہ تخت پر بیٹھا۔ اُس نے اپنے بھائی سے مُلکی اِنتظام کی بڑی اچھّی تربیت حاصل کی ہُوئی تھی۔ فیروز شاہ کا شمار ان بادشاہوں میں سے ہوتا ہے، جو بہُت نیک دل اور خُدا ترس تھے۔ وہ اپنی رعایا پر بڑا مہربان تھا۔ اُس نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ تمام ٹیکس جو اسلامی قانون کے خلاف تھے، ان کو ہٹا دیا۔ اِس طرح سے عام لوگوں پر ٹیکس کا بوجھ بہُت ہلکا ہو گیا۔

فیروز شاہ کی تعمیرات

فیروز شاہ کو عمارتیں بنانے میں خاص دل چسپی تھی۔ اس نے بہُت سے نئے شہر اور قصبے بنائے اور لوگوں کی بھلائی کے لیے بہُت سی عمارتیں بنوائیں۔ اُس کے بسائے ہُوئے شہروں میں سے ایک جونپور بھی ہے، جو جُونا خاں (محمدّ بن تغلق) کے نام کی یاد تازہ کرتا ہے۔ اُس نے بہُت سی پُرانی عمارتوں کی مرمّت کرائی۔ جن میں سے قُطب مینار اور شیخ نظام الدّین رحؒ کی

درگاہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ۔ اُس نے اِس درگاہ کو نئے ساز و سامان سے بھی آراستہ کیا ۔

اُس نے رفاہِ عامّہ کے لیے بڑے شاندار کارنامے انجام دیے اور پچاس بند، چالیس مسجدیں، تیس درس گاہیں، ایک سَو سرائیں، پانی کے پچّاس تالاب، ایک سَو پچّاس پُل اور ایک ہزار دو سَو باغات بنوائے ۔ اُنھیں پانی دینے کی غرض سے چار بڑی نہریں کھُدوائیں اُن میں سے ایک نہر جمنا سے نکالی گئی تھی ۔ یہ نہر دِہلی کے شہر کو پانی مُہیّا کرتی تھی ۔ یہ نہر بہت فاصلے سے لائی گئی تھی اور جن علاقوں سے گزرتی تھی، اُن کو بھی سیراب کرتی تھی ۔ اِس علاقے میں اُس نے حصارِ فیروزہ کے نام سے ایک شہر بسایا تھا جو آج تک آباد ہے ۔ جہاں جہاں سے یہ نہر گزری، وُہ علاقے سرسبز و شاداب ہو گئے ۔ اُس سے حکومت کی آمدنی بھی زیادہ ہو گئی ۔ سُلطان نے اِس آمدنی کو تعلیم کے لیے وقف کر دِیا تھا ۔

علُوم و فنُون کی سرپرستی

فیروزشاہ عِلم و فن کا بڑا سرپرست تھا ۔

اس نے اہلِ علم اور بزرگوں کی خدمت میں بڑی بڑی

رقمیں خرچ کیں ۔ بہت سے مدرسے بنوائے ۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور مدرسہ وہ تھا، جو دہلی کے نزدیک حوضِ خاص پر بنایا گیا ۔ اس میں فاضل پروفیسر مختلف علوم و فنون کی تعلیم میں مصروف رہتے تھے ۔ بادشاہ نے اس مدرسے کو حوضِ علائی کے کنارے بنوایا تھا ۔ حوضِ علائی دہلی کی بہت اچھی تفریح گاہ تھی ۔ مدرسے کی عمارتیں نہایت خوب صورت تھیں ۔ اس مدرسے میں پڑھانے والوں کو بڑی بڑی تنخواہیں دی جاتی تھیں ۔ اس مدرسے کے ایوان اور کمرے اب تک موجود ہیں ۔

فیروز شاہ کے جانشین

فیروز شاہ نے 1388ء میں وفات پائی ۔ اُس کے جانشین نالائق ثابت ہوئے ۔ اس خاندان کے آخری بادشاہ کے زمانے میں امیر تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا ۔ تیمور یہاں سے بے اندازہ دولت اور اپنے ساتھ ہزاروں کاریگروں کو قیدی بنا کر لے گیا ۔ انھوں نے اس کے پایۂ تخت سمرقند کو نہایت خوب صورت شہر بنا دیا ۔ اس خاندان کا خاتمہ 1412ء میں ہوا ۔

مشقیں اور سوالات

1 مختصر لفظوں میں بتاؤ : (ا) علاءُالدین خلجی نے طاقت ور امیروں کو کس طرح قابو میں رکھّا ؟ (ب) محمّد بن تغلق کو کس وجہ سے ہماری تاریخ میں ایک نُمایاں شخصیّت مانا جاتا ہے ؟

2 دو یا تین پیروں میں علاءُالدّین خلجی کے عہد کی برکات کا ذِکر کرو ۔

3 ابنِ بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں دہلی اور بنگال کے متعلق جو کچھ لکھا ہے ، وُہ اپنی جماعت کے رُو برُو بیان کرو ۔

4 دہلی کے بادشاہوں کو چھوڑ کر ان مشہُور اشخاص کی فہرست تیّار کرو ، جن کے نام اِس باب میں آئے ہیں ۔ ساتھ ہی ہر ایک کے مُتعلق کوئی نہ کوئی اہم واقعہ بتاؤ ۔

ساتواں باب

سلطنتِ دہلی کا خاتمہ

لودھی خاندان
سنہ 1451ء سے سنہ 1526ء

تغلق خاندان کے بعد دہلی پر کچھ عرصے تک سیّد خاندان کی حکومت رہی ۔ اس کے بعد لودھی خاندان کو عُروج حاصل ہُوا ۔ یہ خاندان افغان نسل سے تھا ۔ اِس کا پہلا بادشاہ بہلول لودھی سنہ 1451ء میں تخت پر بیٹھا ۔ اُس نے سلطنت کی حدّیں بڑھانے کی پُوری کوشش کی ۔ بہلول بہُت سادہ مزاج تھا ، وہ اپنے سرداروں کے ساتھ برابری کا سلُوک کرتا تھا اور ہندُوؤں کے ساتھ بھی رواداری کا سلُوک کرتا تھا ۔

سکندر لودھی
سنہ 1481ء سے سنہ 1517ء

بہلول کے بعد اُس کا بیٹا سکندر لودھی تخت نشین ہُوا ۔ وہ عِلم وفضل کا بہُت قدردان تھا ۔ اُس نے عُلما اور دُوسرے مذہبی لوگوں کے لیے وظیفے مقرّر کیے ، جو اُس کے زمانے میں باقاعدگی سے تقسیم ہوتے رہے ۔ رات کے

کھانے کے وقت اُس کے ہاں عُلما کا ایک گروہ موجود رہتا تھا اور وُہ ان سے علمی باتوں پر بحث کیا کرتا تھا۔ اُس کی سرپرستی میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ اُن میں سے ایک "طبِ سکندری" ہے۔ اس میں طِب کے علم پر سنسکرت کی کتابوں کے ترجمے شامل کیے گئے ہیں۔ اس نے تمام فوجی افسروں کے لیے فوجی تعلیم کو لازمی قرار دے دیا تھا۔ اُس کے زمانے میں ہندؤوں نے پہلے پہل فارسی پڑھنی شروع کی۔ سنہ 1504ء میں اُس نے شہر آگرہ کی بُنیاد رکھی اور اپنی وفات (سنہ 1517ء) تک وہیں رہا۔

ابراہیم لودھی

سنہ 1517ء سے سنہ 1526ء

بہلول لودھی سرداروں کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرتا تھا۔ مگر ابراہیم لودھی میں وُہ بات نہیں تھی۔ اُس نے افغان سرداروں پر قابو رکھنے کے لیے ان پر پابندیاں لگا دیں۔ اِس پر اُس کے سردار اس سے بگڑ گئے۔ اُن میں سے دَولت خان لودھی نے بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ بابر نے ابراہیم کو سنہ 1526ء میں پانی پت کے میدان میں شکست دی اور اِس طرح لودھی خاندان کا خاتمہ ہوگیا

شیر شاہ سُور

شیر شاہ سُور کا اصل نام فرید خاں تھا۔ وُہ بہلول لودھی کے زمانے میں حصارِ فیروزہ (موجودہ حصار) میں پیدا ہُوا۔ اُس کا باپ حسن، سُور قبیلے کا افغان تھا اور اس کو سہسرام (بہار) کا علاقہ جاگیر میں مِلا ہُوا تھا۔ فرید ایک خودار اور جانباز نوجوان تھا۔ سوتیلی ماں کے بُرے سلوک نے اسے گھربار چھوڑنے پر مجبُور کر دیا اور وُہ جون پور چلا گیا۔ جون پور اس زمانے میں عِلم و فضل کا بہت بڑا مرکز تھا۔ فرید نے چند سال وہاں گزارے۔ عربی، فارسی اور فِقہ میں مہارت حاصل کر لی۔ تعلیم پُوری کر کے گھر پُہنچا تو باپ کے کہنے پر اُس نے جاگیر کا انتظام بڑی کامیابی سے کیا۔ لیکن پھر سوتیلی ماں کے حسد کی بنا پر اُسے دوبارہ گھر سے نِکلنا پڑا۔ چُنانچہ اُس نے بہار کے حکمران کے ہاں مُلازمت کر لی۔ ایک مرتبہ فرید نے شکار میں ایک شیر تلوار سے مار ڈالا۔ اِس پر اُسے "شیر خان" کا خطاب دے دِیا گیا۔ اِس اثنا میں بابر، آگرہ اور دہلی پر قبضہ کر چکا تھا۔ شیر خاں نے اُس کی مُلازمت اختیار کر لی۔ اس مُلازمت میں اُسے مُغلوں کی کمزوریوں کا عِلم ہو گیا اور اس کے دل میں یہ

بات جم گئی کہ اگر افغان ایکا کر لیں تو مُغلوں کو پاک و ہند سے باہر نکال سکتے ہیں۔ ساتھ ہی اُس نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ یہ کام میں خُود انجام دُوں گا۔

سُلطان شیر شاہ

بابر کی وفات 1530ء میں ہُوئی اُس کی جگہ ہمایُوں بادشاہ بنا۔ ہمایُوں کے عہدِ حکُومت میں شیر خاں کو موقع مل گیا۔ اس نے پہلے بہار پر قبضہ کیا۔ پھر بنگال میں پیش قدمی کی۔ ہمایُوں بھی بنگال کی طرف بڑھا مگر شیر خاں کو آگے بڑھنے سے روک نہ سکا۔ اس نے 1538ء میں بنگال کے پایۂ تخت گوڑ کو فتح کر کے بادشاہی تاج سر پر رکھ لیا اور فرید الدّین شیر شاہ کا لقب اختیار کیا۔ پھر چونسہ (1539ء) اور قنوج (1540ء) کی لڑائیوں میں ہمایُوں کو شکشت دے کر اُس کو ہندوستان سے نکال دیا اور خُود پاک و ہند کے شمالی حصّے کا بادشاہ بن گیا۔

شیر شاہ نے بہت سی فتُوحات کیں۔ اِس طرح دریائے سِندھ سے سُنار گاؤں (بنگال) تک کا پُورا علاقہ اُس کی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ 1544ء میں اُس نے کالنجر کا محاصرہ کیا۔ یہ اُس زمانے کا ایک

مشہور قلعہ تھا ۔ محاصرہ ایک سال تک جاری رہا ۔
ایک روز وہ خود مٹّی کے ایک پشتے پر کھڑے ہوکر
دستی گولے پھینک رہا تھا ۔ اچانک ایک گولے کے
پھٹ جانے سے اُس کا جسم بُری طرح جھلس گیا ۔
قلعے کے فتح ہونے کی خوشخبری سُن کر اُس نے
میدانِ جنگ ہی میں جان دی ۔

کارنامے اور سیرت

شیر شاہ ہماری تاریخ کی
ایک زبردست شخصیّت
ہے ۔ وہ معمولی حیثیّت سے اُٹھ کر سب سے اونچے درجے
پر پہنچا ۔ اُس نے عوام کی بہتری کے لیے شان دار
کارنامے انجام دیے ۔ وہ تمام افسروں پر کڑی نگرانی
رکھتا تھا ۔ وہ نہ تو فرض ادا کرنے میں غفلت سے کام
لے سکتے تھے ، نہ غریبوں پر ظلم اور زیادتی کر سکتے
تھے ۔ شیر شاہ نے تمام پُرانی شاہراہوں کی مرمّت کرائی
اور اُن کے علاوہ نئی شاہراہیں بھی بنوائیں ۔ اُن میں
سب سے بڑی شاہراہ دریائے سندھ سے سُنار گاؤں تک
جاتی تھی ۔ اُس نے اِس شاہراہ کے دونوں طرف درخت
لگوائے ۔ دو دو کوس یعنی تقریباً چار میل کے فاصلے پر
سرائیں بنوائیں ۔ اُن کی تعداد تقریباً ایک ہزار سات

تھی - ہر سرائے کے ساتھ مسجد کے علاوہ مندر بھی بنوائے - اُس نے مُلک میں لُوٹ مار اور اِس قسم کے جُرموں کو بالکل ختم کر دیا - شیر شاہ اپنے کارِندوں کی بڑی نِگرانی کرتا تھا - ایک مرتبہ کسی جگہ قتل ہو گیا اور اس کا پتہ نہ چلا - شیر شاہ نے اپنے کُچھ آدمی بھیج کر وہاں کی سرکاری زمین کے کُچھ درخت کٹوا دیے تو ان کی شکایت خُود بادشاہ تک پہنچ گئی - اِس پر شیر شاہ نے علاقے کے حاکم کو پیغام بھیجا کہ اگر چند درخت کٹ گئے، تو تم نے اس کی اطلاع تو کر دی اور ایک اِنسان قتل ہو گیا، اس کا اب تک پتہ نہ چلا -

شیر شاہ نے کسانوں کی بہتری پر خاص توجّہ کی - زراعت کو ترقّی دی - فصلوں کی حفاظت کا بہُت خیال رکھّا جاتا تھا - اُس نے فوج کو حُکم دے دِیا تھا کہ جنگ کے زمانے میں فصلوں کو کوئی نقصان نہ پُہنچے - پہلے پہل شیر شاہ نے ہی رُوپیہ کے نام کا سکّہ جاری کیا - یہ سکّہ کسی نہ کسی شکل میں آج تک چلا آ رہا ہے - اُس نے پُرانے قلعوں کی مرمّت کرائی اور نئے قلعے بنوائے - سرحد کی حفاظت کے لیے دریائے جہلم کے کنارے رُہتاس کا قلعہ بنوایا - اُس نے تعلیم کو ترقّی دی - اُستادوں اور

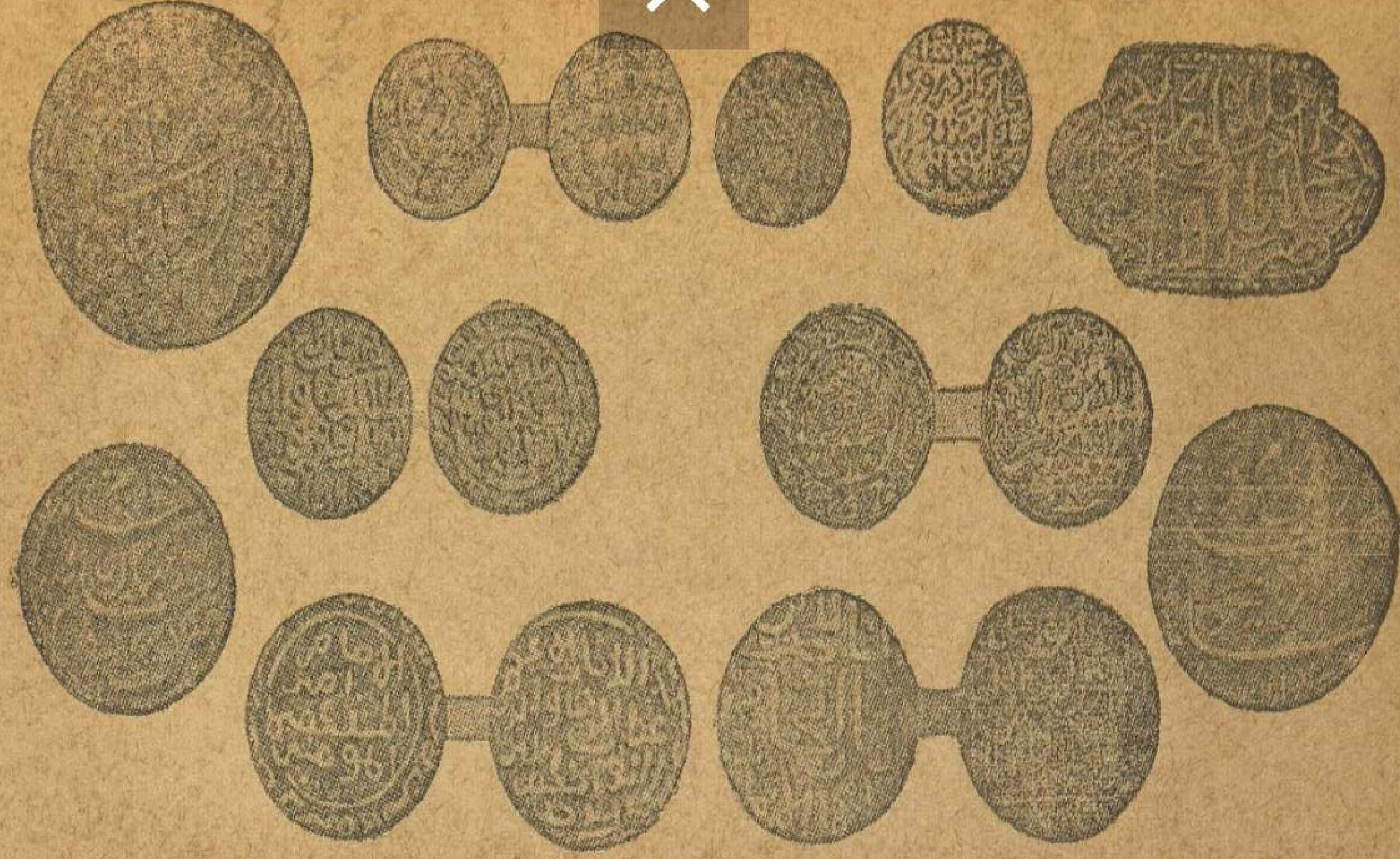
طالب علموں کے وظیفے مقرّر کیے۔ اُس کو خود تعلیم سے بہت دل چسپی تھی۔ جب عالم لوگ اس کے پاس وظیفے کے لیے آتے تھے تو وُہ ان کا خود امتحان لیتا تھا اور ان کی لیاقت کے مطابق ان کو وظیفے دیتا تھا۔ اس نے جا بجا لنگر بھی قائم کیے تھے۔ وُہ بڑا فیاض، منصف مزاج اور محنتی تھا۔ روزانہ دس گھنٹے سرکاری کاموں میں صرف کرتا۔ وُہ پکّا مُسلمان تھا۔ اُس نے کبھی نماز قضا نہیں کی اور روزہ بھی کبھی نہیں چھوڑا۔ وُہ قرآن مجید کی تلاوت میں کبھی ناغہ نہیں کرتا تھا۔

شیر شاہ کے بعد اُس کے خاندان کی حکومت صرف دس سال تک قائم رہی۔ ہمایوُں نے 1555ء میں دہلی پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

صُوبائی حکومتیں

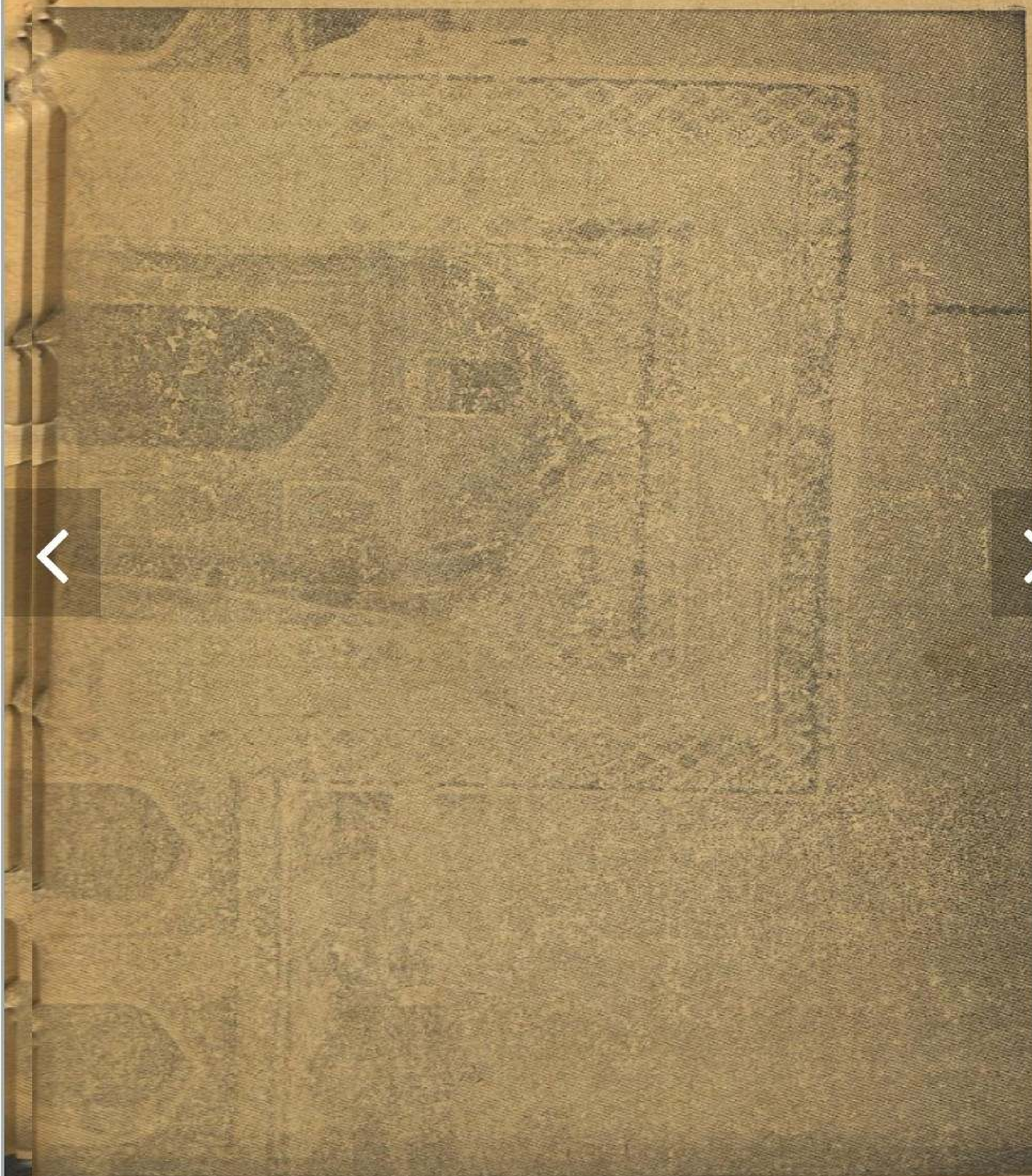
محمّد بن تغلق کے آخری برسوں میں دہلی کی سلطنت کا زوال شروع ہُوا تھا۔ پہلے دکن الگ ہُوا۔ پھر گُجرات، مالوا، سندھ، مُلتان، جون پور اور بنگال میں خُود مُختار حکومتیں قائم ہو گئیں۔

بنگال بنگال سلطنتِ دہلی کا سب سے زیادہ



مسلمان بادشاہوں کے سکّے

جامع مسجد ٹھٹھہ (سندھ)



دولت مند صُوبہ تھا۔ یہ صُوبہ فیروز شاہ کی وفات کے بعد خُود مختار ہُوا۔ وہاں کے بادشاہ غیاث الدّین اعظم شاہ کے زمانے میں چین کے بادشاہ نے ایک سفیر بھیجا، جس کا نام ماہون تھا۔ اُس نے وہاں کے بڑے دلچسپ حالات لکھے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ بنگال میں سُوتی اور رَیشمی کپڑے بڑے عمدہ بنتے ہیں اور درخت کی چھال سے جو کاغذ بنایا جاتا ہے، وُہ چمکیلا ہوتا ہے۔ یہاں چائے نہیں ہوتی اور لوگ پان سپاری کے بہت عادی ہیں۔ اِس زمانے میں بنگال میں ترکی حمّام عام تھے اور دُکانوں پر کھانے کی چیزیں بہت اچھی ملتی تھیں۔ جہاز سازی کی صنعت بھی ترقّی پر تھی۔

علاءُ الدّین حسین شاہ (بنگال)

بنگال کا ایک بادشاہ جس کا نام علاءُ الدّین حسین شاہ تھا، خُود عالم تھا اور اہلِ علم کا بڑا قدردان۔ اس نے ہندوؤں کو بھی بڑے بڑے عُہدے دیے۔ اُس کی ہندو رعایا اس سے اتنی خُوش تھی کہ وُہ اسے "نرپتی تلک" یا "بادشاہوں کا تاج" کے نام سے یاد کرتی تھی۔

ناصرُ الدّین نصرت شاہ (بنگال)

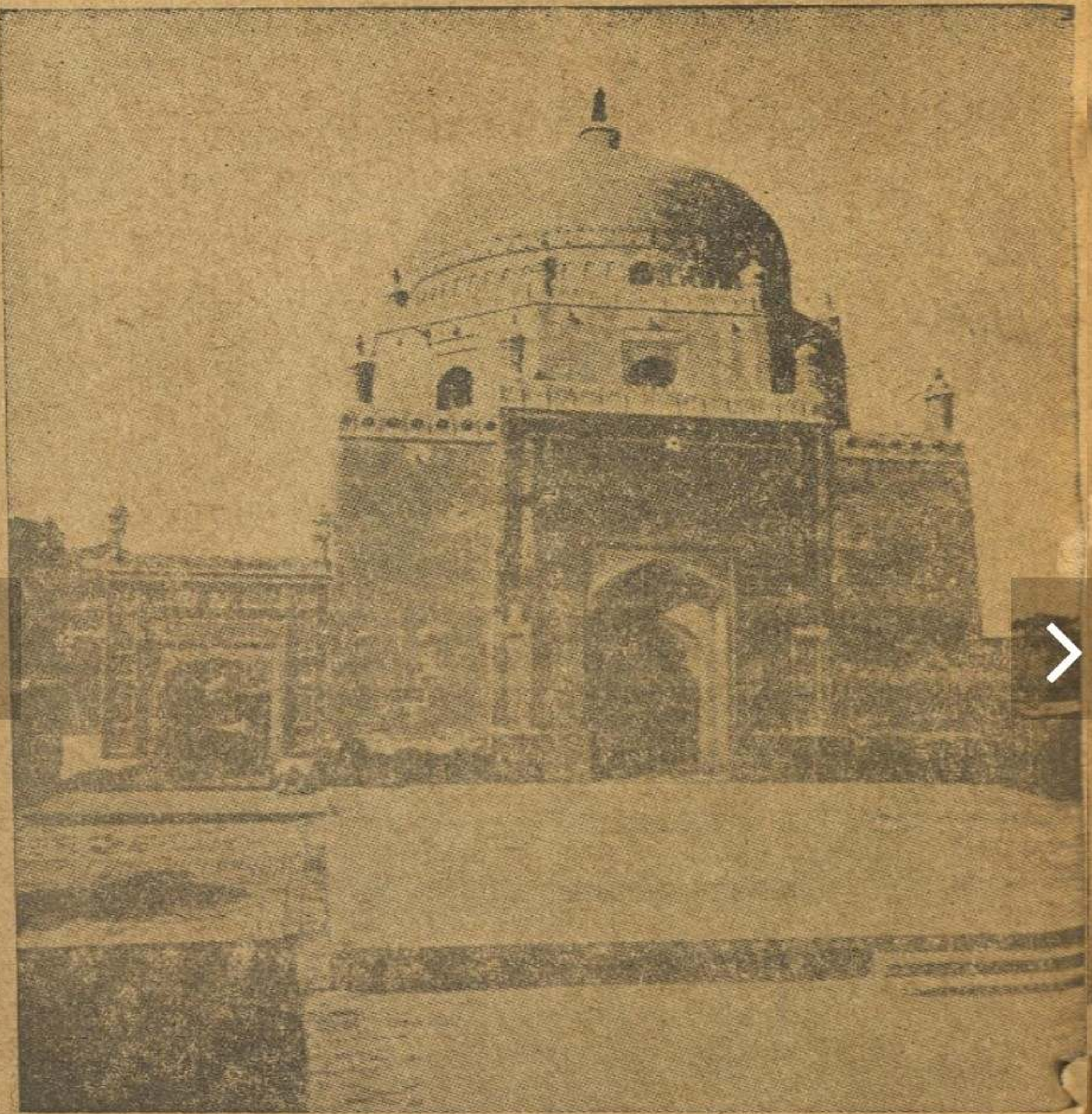
اِس خاندان کا

آخری بادشاہ ناصرالدین نصرت شاہ تھا۔ اُس کو بنگالی زبان سے بڑی دلچسپی تھی۔ اُس کے دربار میں اس کے بڑے بڑے شاعر اور نثر لکھنے والے تھے۔ اُس نے اپنے دربار میں بنگالی زبان کے "ملک الشعرا" یعنی شاعروں کے بادشاہ کا عُہدہ بنایا اور اس پر بنگالی زبان کے ایک مشہور شاعر وِدّیا پتی کو مقرّر کیا۔ مہابھارت سنسکرت زبان کی ایک مشہور کتاب ہے۔ سلطان کے حُکم سے اُس کا ترجمہ بنگالی زبان میں کیا گیا۔

بنگال کے بادشاہوں نے وسیع مسجدیں، شان دار محل اور خُوب صُورت مقبرے تعمیر کرائے۔ ان میں سے خان جہاں علی خان کا مقبرہ، بگرہٹ کی ساٹھ گنبد کی مسجد، گوڑ کی چھوٹی سونا مسجد اور ٹپّرا کی دریا سوداگر کی مسجد بہت مشہور عمارتیں ہیں۔

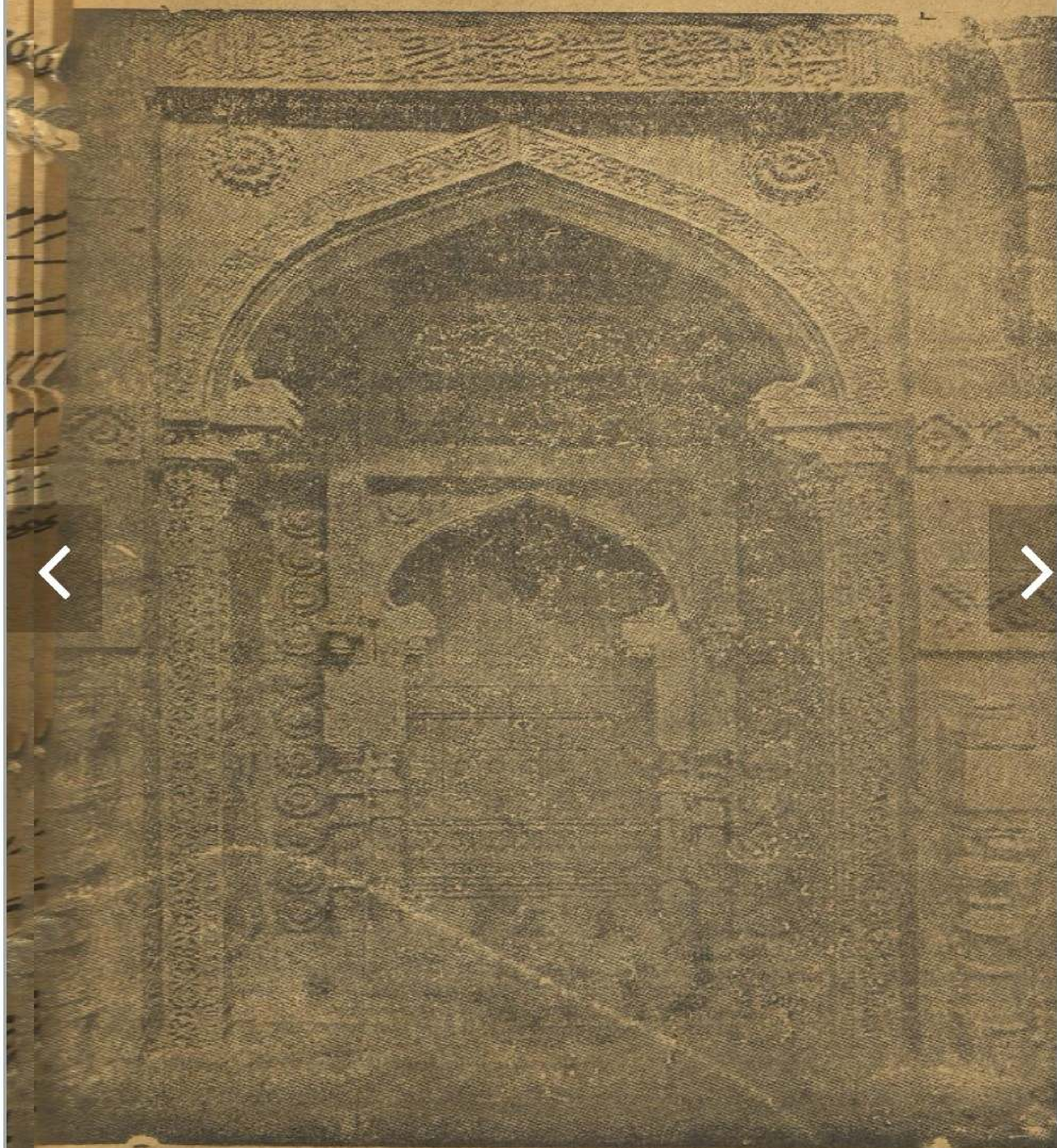
مُلتان

مُلتان پہلے ہی سے اِسلامی تہذیب و تمدّن کا مرکز چلا آتا تھا۔ خواجہ بہاءُالدّین زکریّا نے اس شہر کو مذہبی تعلیم کا مرکز بنایا اور اُن کے خاندان کے لوگ یہاں ایک مُدّت تک تعلیم و تربیّت کا فرض انجام دیتے رہے۔ ان بزرگوں کے مزار بھی مُلتان ہی میں ہیں۔ مُلتان میں لنگاہ خاندان نے اپنی



مقبرہ بہاءُالدّین زکریا (ملتان)

مقبرہ نظام الدین نندا ٹھٹہ (سندھ)



حکومت قائم کر لی تھی۔ انھوں نے بھی کئی مدرسے
ائے۔

سندھ

فیروز شاہ کی وفات کے بعد سندھ پر جام خاندان نے قبضہ کر لیا۔ ان میں سب سے مشہور حکمران جام نظام الدین نندا ہو گزرا ہے۔ اس کے عہد میں سندھ کو بڑی خوش حالی نصیب ہوئی۔ اس خاندان کے مقبرے ٹھٹھہ میں ہیں۔ یہ نہایت خوب صورت ٹائلوں کے بنے ہیں اور سیاح آج بھی انھیں دیکھنے کے لیے جاتے ہیں۔

سلطنتِ دہلی پر ایک سرسری نظر

دہلی کے سلاطین کا ہندوستان پر سب سے بڑا احسان یہ تھا کہ انھوں نے اس ملک میں امن و امان قائم کیا اور اسے باہر کے حملہ آوروں سے محفوظ رکھا۔ تاتاریوں نے اپنے حملوں سے دنیا کے بڑے حصے کو تباہ و برباد کر دیا تھا، لیکن ان بادشاہوں کی وجہ سے ہندوستان ان حملوں سے محفوظ رہا۔ انھوں نے علوم و فنون کو بھی ترقی دی اور ملک بھر میں شان دار اور خوب صورت عمارتیں بنائیں۔

تعلیم کی ترقّی

دہلی کے بادشاہوں نے مُلک بھر میں بہُت سے مدرسے بنائے اور تعلیم کے لیے اچھّے انتظامات کیے۔ علاءُ الدّین خلجی کے زمانے میں چھیالیس مشہُور پروفیسر صِرف دہلی کے مدرسوں میں تعلیم دیتے تھے۔ محمّد بن تغلق کے عہد میں صِرف دہلی میں ایک ہزار مدرسے تھے۔ مُلک میں تعلیم مُفت اور عام تھی۔ جون پور اور بیدر (دکن) کے مدرسوں نے پندرھویں صدی عیسوی میں بڑی شہرت حاصل کر لی تھی۔ دکن میں بہمنی سلطنت کے وزیر محمُود گاوان نے بیدر میں ایک مدرسہ قائم کیا، جس کی عمارت نہایت خوب صورت تھی۔ اس کے ساتھ ایک عُمدہ کُتب خانہ بھی تھا۔ اِس مدرسے میں تعلیم پانے کے لیے خراسان تک کے طالب علم آتے تھے۔ سکندر لودھی کے زمانے میں ہندوؤں نے بھی فارسی پڑھنی شرُوع کر دی۔ بہلول لودھی کے عہد میں ایک ہندو شاعر ایک اِسلامی مدرسے میں اُستاد تھا، اُس کا تخلّص برہمن تھا۔

مُسلمانوں کو کتابوں سے ہمیشہ بڑی محبّت رہی ہے۔ اُنھوں نے عِلم پھیلانے کی غرض سے خُود بھی کتابیں لکھیں اور باہر کے مُلکوں سے بھی منگوائیں۔ خُوش نویسی اور خطّاطی

کے علاوہ انھوں نے کتابوں کو خوب صورت بنانے کے فن کو بھی بڑی ترقّی دی۔ وہ اس فن کی بہت قدر کرتے تھے۔ محمّد بن تغلق نے بغداد کے ایک مشہور خوش نویس کے لکھے ہوئے قرآنِ پاک کو ایک لاکھ دینار میں خریدا تھا۔

سرکاری شفاخانے

دہلی کے بادشاہوں نے عام لوگوں کے لیے مفت علاج معالجے کا بھی انتظام کیا تھا۔ محمّد بن تغلق کے عہد میں صرف دہلی کے اندر ستّر سرکاری شفاخانے تھے۔ فیروز شاہ نے اُن کی تعداد کو اور بھی بڑھایا۔ اُن شفاخانوں میں طبیب بھی کام کرتے تھے اور جرّاح بھی۔ اُن کے علاوہ آنکھوں کے علاج کے ماہر بھی تھے۔ شیر شاہ نے تمام سراؤں میں طبیب مقرّر کر دیے تھے تاکہ مسافر ضرورت کے وقت علاج کرا سکیں۔ بیماروں کے لیے دوا اور غذا حکومت کی طرف سے مفت دی جاتی تھی۔

ہندوؤں سے سلوک

مسلمان حکمران بڑے روادار اور منصف مزاج تھے۔ ہندوؤں سے اُن کا برتاؤ بڑا فیّاضانہ تھا۔

شیر شاہ کہا کرتا تھا کہ مُسلمان اور غیر مُسلم میری نظر میں یکساں ہیں اور ساری رعایا عدالت میں برابر کی حق دار ہے۔ اسلامی حکومت میں شروع ہی سے ہندوؤں کو عبادت کی آزادی حاصل تھی۔ وہ اپنے دھرم کا پرچار بھی کر سکتے تھے۔ مُسلمان بادشاہوں کو کسانوں کی بہتری کا خاص خیال تھا۔ کسان زیادہ تر ہندو تھے۔ مُسلمانوں کے عہد میں ان پر ٹیکس یا لگان کم کر دیا گیا۔ اِس وجہ سے وُہ بہت خوش حال ہو گئے۔

تعمیرات

مُسلمان اپنے ساتھ عمارتیں بنانے کی ایک نئی طرز لائے تھے۔ مُسلمان وسیع مسجدوں میں نماز ادا کرتے تھے اور کھُلے مکانوں میں رہتے تھے۔ وُہ قبروں پر خوب صُورت مقبرے بناتے تھے۔ مُسلمان بادشاہوں نے اپنے دَور میں بڑی بڑی شان دار عمارتیں بنوائیں۔ ان عمارتوں کے بنانے میں ہندو کاریگروں سے بھی کام لیا۔ ہندوؤں کی عمارتوں میں محراب، جالی یا گنبد نہیں ہوتے تھے۔ مُسلمانوں نے ان چیزوں کا اضافہ کیا۔ ہندوستان میں میناروں اور رنگین ٹائلوں کا بھی رواج نہیں تھا۔ مُسلمانوں نے عمارتیں بنانے میں ان کو بھی استعمال کیا۔ وُہ دیواروں کو ہندسی شکلوں سے خوب صُورت

بناتے تھے اور خوش نویسی سے آراستہ کرتے تھے۔

ہندو تہذیب پر اسلامی اثر

مسلمان پاک وہند میں آباد ہوئے، تو انھوں نے اسے اپنا وطن بنا لیا۔ انھوں نے اپنی زندگیاں اسی کی نذر کر دیں۔ اسی کے لیے محنت و مشقت کرتے رہے۔ اسی کی تعریف میں نظمیں لکھتے تھے اور اسی کی حفاظت میں اپنا خون بے دریغ بہاتے تھے۔

مسلمان اس ملک میں نئے علوم، نئی زبانیں اور رہنے سہنے کے نئے نئے ڈھنگ طریقے لائے۔ انھوں نے نئے فنون اور نئی صنعتیں جاری کیں۔ کھیتی باڑی کے طور طریقوں کو بہتر بنایا۔ نئے لباس، نئے کھانے اور کھانا کھانے کے نئے آداب رائج کیے۔ کاغذ اور صابون کی صنعتیں اس ملک میں مسلمانوں ہی نے جاری کیں۔ اُنھوں نے نئے قسم کے باغات لگائے۔ اُن میں نئے پھلوں کو فروغ دیا۔ فیروز شاہ نے دہلی کے اِرد گِرد انگور، بادام اور خوبانی کے باغ لگوائے تھے۔ مسلمانوں نے مقامی زبانوں کو ترقی دینے کی بہت کوشش کی۔ مسلمانوں سے پہلے کتابیں صرف سنسکرت زبان میں ہی لکھی جاتی تھیں۔ ان کے اثر سے

لوگ مقامی زبانوں میں بھی نظم اور نثر لکھنے لگے۔ چونکہ اِس سے پہلے عِلم صِرف سنسکرت کی کتابوں میں ہوتا تھا۔ اِس لیے برہمن اس کے اجارہ دار ہو گئے تھے۔ اب کتابیں عام لوگوں کی زبان میں لکھی جانے لگیں۔ اِس لیے ان سے سب لوگ فائدہ اُٹھانے لگے۔

صُوفیوں کا اثر

اِسلامی مُلکوں سے صُوفیائے کرام برابر آتے رہے۔ اُنھوں نے سِندھ سے سلہٹ تک اور دہلی سے مدورا (دکن) تک مُختلف مقامات پر خانقاہیں بنائیں اور وہاں سے عام لوگوں تک اِسلام کا پیغام پُہنچایا۔ صُوفی عام لوگوں میں رہتے تھے۔ ان کی زبان بولتے تھے۔ اُن کی زبان میں شِعر کہتے اِس طرح سے اُنھوں نے مقامی زبانوں کو بہت ترقّی دی۔ اور ان میں عِلم و ادب کا ذخیرہ پیدا کر دیا۔ اُن کی خانقاہیں عام لوگوں کے لیے ہدایت اور نیکی کا سرچشمہ تھیں۔ وُہ لوگوں کو زبانی تعلیم بھی دیتے اور کتابی بھی۔ اُن کی خانقاہیں بے شمار غریبوں کے لیے پناہ گاہیں تھیں۔ اُن کے پاس جو نذرانے آتے تھے، وُہ اُنھیں غریبوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اُن سے لنگر چلاتے تھے، جن میں غریبوں کو مُفت کھانا مِلتا تھا۔ حضرت بختیار کاکیؒ کا یہ نام اِس

لیے پڑ گیا تھا کہ وہاں سے غریبوں کو کعک یا گھی والی روٹی ملتی تھی ۔ ان خانقاہوں کے ساتھ بادشاہوں نے بڑی بڑی جاگیریں وقف کر دی تھیں ۔ صُوفیاء ان کی آمدنیوں کو بھی غریبوں پر ہی خرچ کرتے تھے ۔ ان لوگوں کی نیکی اور سچّائی سے عام لوگوں میں اِسلام کا اثر تیزی سے پھیلنے لگا اور لاکھوں نے نئے مذہب کو اِختیار کر لیا ۔ صوفیا کا اثر صرف عوام پر ہی نہیں تھا، اُن کو بادشاہ اور اُن کے امیر بھی مانتے تھے ۔ اُن میں سے بہُت سے لوگ اُن کے مُرید ہو جاتے تھے ۔ اِس طرح صُوفیوں کے اثر سے ان میں بھی نیکی اور بھلائی کا جذبہ اور بھی ترقی پا جاتا تھا ۔

بھگتی کی تحریک

اِسلام اور صُوفیائے کرام کا ہندُوؤں پر بھی بہُت گہرا اثر ہُوا ۔ صُوفی خانقاہوں میں مِل جُل کر رہتے تھے ۔ اِکٹھے عبادت کرتے اور اِکٹھے ہی کھانا کھاتے تھے ۔ اِس کا ہندُوؤں کے بعض گروہوں پر بھی بہُت اثر ہُوا ۔ ان کو بھگتی تحریک کے پیرو کہتے ہیں ۔ اِس تحریک کے پیرووں کا عقیدہ تھا کہ خُدا ایک ہے ۔ بُت پرستی اچھی چیز نہیں ۔ اگر لَو لگانا ہے تو صِرف خُدا سے لگانی چاہیے ۔

برہمن علیحدہ علیحدہ عبادت کرتے تھے ۔ اُنھوں نے مِل جُل کر عبادت کرنی شروع کی ۔ مُسلمان صُوفیا کی طرح وُہ اِکھٹّے رہتے اور اِکھٹّے مِل کر مذہبی راگ الاپتے تھے ، یہ لوگ ذات پات کے بھی خلاف تھے ۔ اُنھوں نے اپنی کوششوں سے ہندُو مذہب کو اِسلام کے بہُت قریب کر دِیا ۔ اِس تحریک کے بڑے رہنما بنگال میں چیتنیہ، شمالی پاک و ہند میں کبیر اور پنجاب میں گورونانک تھے ۔ کبیر کی پرورِش ایک غرِیب مُسلمان جُلاہے کے گھر میں ہُوئی تھی ۔ ہندُو اور مُسلمان یکساں اُن کی قدر کرتے تھے ۔ گورونانک کھتری ہندُوؤں کے گھرانے میں پیدا ہُوئے ۔ اُنھوں نے اپنا زیادہ وقت مُسلمان صُوفیوں کی صحبت میں گُزارا ۔ کہا جاتا ہے کہ اُنھوں نے حج بھی کیا ۔ سِکھّوں کی مقدّس کتاب گرنتھ صاحِب میں مُسلمان صُوفیا کا بہُت سا کلام بھی شامِل ہے، جسے سِکھ عبادت کے طور پر پڑھتے ہیں ۔

سوالات اور مشقیں

1 دِہلی کے بادشاہوں کو چھوڑ کر اُن تمام اشخاص کی فہرست بناؤ جن کا ذِکر اِس باب میں آیا ہے اور بتاؤ وُہ کون تھے ؟

2 مختصر لفظوں میں بتاؤ کہ فرید، جو ایک معمولی جاگیردار کا بیٹا تھا، کیوں کر دہلی کا سلطان بن گیا؟ اس نے عوام کی بہتری کے لیے کیا کچھ کیا؟

3 اس باب میں تم نے بنگال کے متعلق جو کچھ پڑھا ہے، اس کا خلاصہ لکھو۔

4 اس باب میں ''سلطنتِ دہلی پر ایک سرسری نظر'' پڑھ کر بتاؤ کہ

(ا) بادشاہوں نے کیونکر تعلیم کو فروغ دیا؟

(ب) ہندوؤں سے ان کا سلوک کیسا تھا؟

5 اختصار سے بتاؤ کہ مسلمان صوفیوں نے پاک و ہند میں کیونکر اسلام پھیلایا؟

6 ہندو تہذیب پر اسلام کے اہم اثرات بیان کرو۔

آٹھواں باب

سلطنتِ مُغلیّہ کا قیام

ظہیرُ الدّین محمّد بابر
1526ء سے 1530ء

ظہیرُ الدّین محمّد بابر تیمُور کی نسل سے تھا۔ وُہ باپ کی طرف سے تُرک اور ماں کی طرف سے چنگیز خانی تاتاری یا منگول تھا۔ پاک و ہند میں منگول کو مُغل کہتے تھے۔ اِس لیے اِس خاندان کا نام مُغل مشہُور ہو گیا۔

بابر 1483ء میں پیدا ہُوا۔ اس کا باپ عمُر شیخ مِرزاؔ فرغانہ کا حُکمران تھا۔ فرغانہ رُوسی تُرکستان میں واقع ہے۔ آج کل اس کا نام قوقند ہے۔ بابر ابھی گیارہ سال کا تھا کہ اُس کے باپ کا اِنتقال ہو گیا۔ سرداروں اور گِرد و نواح کے حُکمرانوں نے سمجھا کہ گیارہ سال کا بچّہ کیا حکومت کرے گا۔ اس کو کم عُمر دیکھ کر اپنے پرائے سب دُشمن ہو گئے۔ بابر کو اپنا تخت سنبھالنے کے لِیے دس سال تک برابر جِدّ وجُہد

کرنی پڑی۔ اس زمانے میں کبھی ایسا بھی ہُوا کہ اُس کے ہاتھ سے فرغانہ بھی نکل گیا اور وُہ جنگلوں بیابانوں میں مارا مارا پھرنے لگا۔ لیکن اُس نے ہِمّت نہ ہاری۔ آخرکار جب مخالفوں نے زیادہ زور پکڑ لیا تو اُس نے وطن کو خیرباد کہا اور کابل کا رُخ کیا۔ ۱۵۰۶ء میں اُس کا کابل پر قبضہ ہو گیا اور اُس نے بادشاہ کا لقب اِختیار کر لیا۔

پاک و ہند کی فتح

بابر تیمُور کی اولاد میں سے تھا۔ تیمُور نے پاک و ہند کو فتح کیا تھا، اس لیے بابر ہندوستان کو اپنی میراث سمجھتا تھا۔ اُس کے دِل میں پاک و ہند کو فتح کرنے کا خیال بھی اسی وجہ سے پَیدا ہُوا تھا۔ اُس زمانے میں دِلی کی سلطنت اندرُونی پھُوٹ کی وجہ سے کمزور ہو گئی تھی۔ بہلول لودھی افغان سرداروں سے برابری اور بھائی چارے کا سلُوک کرتا تھا، لیکن ابراہیم لودھی کے دِماغ میں بادشاہی کی خُو بُو سما گئی تھی۔ اُس کے رویّے سے افغان سرداروں میں بد دِلی پھیل گئی۔ اُن میں سے دَولت خاں حاکمِ پنجاب نے بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ بابر

نے بھی اپنے زورِ بازو پر بھروسا کرتے ہُوئے پاک و ہند کو فتح کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

پانی پت کی پہلی لڑائی

۲۱ اپریل 1526ء

وُہ بارہ ہزار جوانوں کی مُختصر فوج اور چند توپیں لے کر دِہلی کی طرف بڑھا۔ اُدھر سے اِبراہیم ایک لاکھ فوج اور ایک ہزار جنگی ہاتھی لے کر مقابلے کے لیے دِہلی سے نِکلا۔ دونوں فوجوں کا آمنا سامنا پانی پت کے میدان میں ہُوا۔ بابر بڑا سمجھ دار سِپہ سالار تھا۔ اُس نے پانی پت شہر کو اپنی فوج کے دائیں طرف رکھّا اور بائیں طرف ایک گہری خندق کھود لی۔ اِس طرح فوج کو اِن دونوں جانب سے محفُوظ کر لیا۔ زیادہ زبردست حملے کا ڈر تو سامنے سے ہی تھا۔ اِس طرف اُس نے سات سَو چھکڑوں کو کھڑا کِیا اور ان کو چمڑے کے رسّوں سے ایک دُوسرے کے ساتھ باندھ دِیا گیا۔ چھکڑوں کے درمیان تھوڑے تھوڑے فاصلے پر جگہ چھوڑ دی تاکہ جب مَوقع ہو تو ان خالی جگھوں سے گُزر کر دُشمن پر حملہ کِیا جا سکے۔ توپیں ایک قطار میں نصب کر دیں اور بندُوقچیوں کو چھکڑوں کے پیچھے کھڑا کر دِیا۔

سات روز تک دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں - آٹھویں روز لڑائی شرُوع ہُوئی - بابر نے جنگ کو توپوں کی گولہ باری سے شرُوع کیا - توپوں کے چلنے سے ابراہیم لودھی کے ہاتھیوں میں دہشت پھیل گئی - ہاتھی ڈر کر جو بھاگے تو اپنی فوج کو ہی روندتے چلے گئے - اِس سے فوج میں افراتفری پھیل گئی - اِدھر بابر کی فوج نے جان توڑ حملہ کیا - ابراہیم لودھی کی فوج کو شکستِ فاش ہُوئی اور وُہ خُود بھی میدانِ جنگ میں مارا گیا - بابر نے اُس کی لاش کو تلاش کیا اور اُسے بڑے اعزاز کے ساتھ دفن کیا گیا - جنگ کے بعد بابر نے اپنے بیٹے ہمایُوں کو آگرہ پر قبضے کے لیے روانہ کر دیا - ایک فوج دہلی بھیج دی - آگرہ میں ہمایُوں کو دُنیا کا مشہُور ہیرا کوہِ نُور بھی ہاتھ آیا -

جنگِ کنواہہ سنہ 1527ء

پانی پت کی جنگ کے بعد بابر کا دہلی اور آگرہ پر قبضہ ہو گیا - ابراہیم لودھی کی حکُومت ختم ہو گئی - لیکن ہندوستان میں ابھی تک راجپُوتوں کی بہُت سی ریاستیں تھیں - یہ لوگ مُدّتوں سے حکُومت کر رہے تھے - اُن کا خیال تھا کہ بابر بھی تیمُور کی طرح لُوٹ مار

کر کے چلا جائے گا اور سلطنت اُن کے ہاتھ آجائے گی لیکن جب اُنھوں نے دیکھا کہ بابر کا ارادہ ایک مضبوط سلطنت قائم کرنے کا ہے تو چتوڑ کا رانا سانگا سوا لاکھ فوج کے ساتھ آگرے کی طرف بڑھا۔ رانا سانگا بڑا بہادر اور دلیر سپہ سالار تھا۔ اُس کے جسم پر زخموں کے اسّی نشان تھے۔ ایک آنکھ اور ایک بازو بھی جنگوں میں ضائع ہو چکے تھے۔ وہ راجپوتوں کا ایک لشکر لے کر آگرے کی طرف بڑھا۔ تمام راجپوت اُس کے مددگار تھے۔ رانا سانگا چاہتا تھا کہ بابر کو نکال کر پاک و ہند میں اپنا راج قائم کرے۔ بابر راجپوتوں کے مقابلے کے لیے آگرے سے نکلا اور سیکری کے مقام پر ڈیرے ڈال دیے۔ اس کے ساتھ صرف دس ہزار جاں باز تھے۔ سانگا کا لشکر کئی گنا زیادہ تھا۔ بابر کے ساتھی جی کھو بیٹھے۔ بابر نے ساتھیوں کی ہمّت بڑھانے کے لیے ایک نہایت جوشیلی تقریر کی اور اپنی فوج کو نئے سرے سے مرتب کر کے راجپوتوں پر حملہ بول دیا۔ وہ بھاگ کھڑے ہوئے رانا سانگا بھی جان بچا کر نکل گیا۔ بابر کو فتح کامل نصیب ہوئی۔

بابر کی وفات 1530ء

میوات، بہار اور بنگال

کے افغانوں سے ابھی لڑائیاں جاری تھیں کہ بابر کا بیٹا ہمایوں سخت بیمار ہو گیا۔ بابر کو بیٹے سے بہت محبّت تھی اُس نے خدا سے دُعا مانگی کہ خدایا! مَیں اپنے بیٹے کی بلا اپنے سر لینے کو تیار ہوں۔ چُنانچہ ہمایوں تندرست ہو گیا اور بابر بیمار پڑ گیا۔ اُس نے زندگی کا بڑا حصّہ مصیبتوں پریشانیوں اور جنگوں میں صرف کیا تھا۔ جن کے باعث وُہ ضعیف و کمزور ہو چکا تھا۔ اُس نے 1530ء میں آگرہ کے شہر میں وفات پائی۔ بابر کو کابل سے بڑی محبّت تھی۔ اُس نے وہاں ایک خُوب صُورت باغ بنایا تھا۔ مرنے لگا تو اُس نے وصیّت کی کہ مجھے اِس باغ میں دفن کرنا۔ اُس کو اِس کے کہنے کے مطابق وہیں دفن کیا گیا۔

بابر کی شخصیّت

بابر خُداداد خُوبیوں کا مالک تھا۔ وُہ نہایت دلیر اور نڈر تھا۔ بابر کے معنی ترکی زبان میں شیر کے ہیں۔ وُہ بھی شیر کی طرح جری اور بہادر تھا۔ وُہ مُلک کا انتظام کرنے میں اچھّا تھا اور میدانِ جنگ میں بھی سب سے آگے رہتا تھا۔ اُس کے ساتھ ایک اچھا شاعر، نثر لکھنے والا اور خُوش نویس تھا۔ اُس کی طبیعت میں

مُروّت ، اِنصاف اور فیاضی کُوٹ کُوٹ کر بھری ہُوئی بھتی ۔ اُس نے اِبراہیم لودھی کی والدہ کے لیے معقُول وظیفہ مقرّر کِیا اور اُس کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھّا ۔ وُہ دِل کا بہُت نرم تھا ۔ اگر کوئی ساتھی جُدا ہو جاتا تھا تو اُس کی یاد میں آٹھ آٹھ آنسُو روتا ۔ ایک دفعہ اُس کے ایک ساتھی کی وفات ہُوئی تو وُہ کئی دِن تک روتا رہا ۔ وُہ ہمیشہ دُوسروں کے لیے قُربانی کرنے کو تیّار رہتا تھا ۔ فرغانہ سے کابل آتے ہُوئے ایک رات برف پڑ رہی بھتی ۔ اُس کے لیے ایک غار میں ٹھہرنے کا اِنتظام کِیا گیا ۔ غار میں سب لوگوں کے لیے سونے کی جگہ نہ بھتی ۔ بابر نے سب لوگوں کو غار میں جگہ دی اور خُود برف باری میں ہی دیر تک باہر بیٹھا رہا ۔ اُس کے بعد اُس کے ساتھیوں نے اُس کے لیے بھی اندر جگہ بنا دی ۔ تب کہیں اندر آیا ۔ بابر نے بڑی اچھّی تعلیم پائی بھتی ۔ وُہ تُرکی و فارسی بڑی روانی سے بولتا اور لِکھتا تھا ۔ عربی میں بھی اُسے خاصی مہارت حاصِل بھتی ۔ اُس نے اپنی زندگی کے حالات بڑے دِل چسپ انداز میں لکھّے ہیں ۔ اِس کتاب میں جب وُہ اِنسانوں یا قُدرتی مناظر کا بیان کرتا ہے تو ایسا معلُوم

ہوتا ہے، جیسے اُن کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہو۔ وہ فارسی اور ترکی زبان میں شعر کہتا تھا۔ اُسے خُوش خطی کا بھی بڑا شوق تھا۔ ایک دفعہ وہ دُشمن کے مقابلے میں دریا کے کنارے لشکر لیے پڑا تھا۔ رات کو خُوش خطی کا شوق ہُوا تو بہت رات تک برابر خُوش خطی کی مشق کرتا رہا۔ اُس نے خُوش خطی کی نئی طرز بھی ایجاد کی تھی۔ اُسے "خطِ بابری" کہتے تھے۔ اُسے موسیقی سے لگاؤ تھا۔ اِس کے ساتھ ساتھ شاعری اور مصوری کا بھی شوق تھا۔ وہ ہرات اور سمرقند سے اپنے ساتھ بڑی عُمدہ تصویریں لایا تھا۔ وہ اہلِ عِلم سے فیاضی کا برتاؤ کرتا تھا اور اُن کی صُحبت میں بیٹھ کر خُوش ہوتا تھا۔ اُسے باغبانی اور تعمیرات کا بھی شوق تھا۔ اُس نے آگرے میں ایک خُوب صُورت باغ لگوایا، جس میں سمرقند اور کابل سے نئے پودے منگوا کر کاشت کرائے۔

نصیر الدّین محمّد ہمایُوں

سنہ 1530ء سے سنہ 1540ء

ہمایُوں سنہ 1508ء میں پیدا ہُوا۔ بابر نے اسے بہت اچھّی تعلیم دلائی تھی۔ اُس نے اپنے باپ کے ساتھ رہ کر مُلکی انتظام کا

تجربہ حاصل کیا۔ جب 1530ء میں بابر کی وفات ہوئی تو اُس نے باپ کی جگہ لی۔

ہمایوں کی مشکلات

پانی پت کی فتح کے بعد بابر کو صرف چار سال حکومت کا موقع مِلا۔ بابر نے مرتے وقت ہمایوں کو یہ وصیّت کی تھی کہ اپنے بھائیوں سے اچھا سلوک کرنا۔ ہمایوں نے اپنی سلطنت کو بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔ کابل اور قندھار کامران کو دے دیئے۔ الور اور میوات ہندال کو اور سنبھل عسکری کو۔ بھائیوں نے اُس کی مہربانیوں کی قدر نہ کی اور ہمیشہ اُس کے لیے مشکلات پیدا کرتے رہے۔

بہادر شاہ سے جنگ

ہمایوں کی پہلی جنگ بہادر شاہ کے ساتھ ہُوئی۔ وُہ گجرات، کاٹھیاواڑ کا بادشاہ تھا۔ اُس نے ہمایوں کے کُچھ باغی امیروں کو اپنے ہاں پناہ دے دی تھی اور ہمایوں کے کہنے پر بھی ان کو واپس نہ بھیجا۔ اس پر ہمایوں نے حملہ کر کے گجرات اور مالوہ کو فتح کر لیا۔ لیکن کُچھ عرصے کے بعد بہادر شاہ نے اپنی سلطنت کو دوبارہ حاصل کر لیا۔

شیر شاہ سے جنگ

گجرات سے واپسی پر ہمایوں کو معلوم ہوا کہ شیر شاہ بنگال میں آگے بڑھ رہا ہے۔ اُسے روکنے کا ارادہ کر کے وُہ آگرہ سے نِکلا اور چنار کا قلعہ فتح کر لیا۔ اِس اثنا میں شیر شاہ بنگال کے صدر مقام گوڑ پر قبضہ کر کے اپنی بادشاہی کا اعلان کر چکا تھا۔ ہمایوں بنگال پہنچا تو شیر شاہ پیچھے ہٹ گیا۔ ہمایوں نے گوڑ دوبارہ لے لیا، لیکن اس کے بعد اُس نے بہت سا وقت جشنوں اور دعوتوں میں ضائع کر دیا۔ شیر شاہ نے موقع سے فائدہ اُٹھا کر آگرہ جانے والے راستوں پر قبضہ کر لیا اور اِس طرح امداد اور رسد کا سِلسلہ کاٹ دیا۔ اِس طرح ہمایوں بنگال میں بند ہو گیا۔ اُس نے اپنے بھائی ہندال کے ذِمّے یہ کام لگایا تھا کہ اِن راستوں پر دُشمن کا قبضہ نہ ہونے دے اور سِلسلے محفوظ رکھّے، لیکن ہندال خُود بادشاہ بننا چاہتا تھا اس لیے وُہ اپنی جگہ چھوڑ کر آگے چلا گیا۔ آخر ہمایوں کو شیر شاہ سے صُلح کرنی پڑی۔ ابھی شاہی فوج آگرہ کی طرف روانہ ہُوئی تھی کہ افغان سپاہ نے اچانک حملہ کر دیا۔ ہمایوں کی فوج میں وبا پھُوٹ پڑی تھی اور

اِس کی وجہ سے اُسے بہُت نقصان پہُنچ چُکا تھا۔ اِس لیے اُس کی فوج میں لڑنے کی ہمّت نہ تھی۔ افغانوں کے حملے میں ہمایُوں کے بہُت سے سپاہی مارے گئے اور بہُت سے دریا میں ڈُوب گئے۔ خُود ہمایُوں بھی ڈُوبتے ڈُوبتے بچا۔ اِتّفاق سے اُس کی فوج کا ایک سقّہ بھی اُس وقت دریا پار کر رہا تھا۔ اُس کا نام نظام تھا۔ اُس نے اپنی مَشک کا سہارا دے کر اُسے ڈُوبنے سے بچایا۔ اس کے بعد ہمایُوں آگرے واپس آگیا۔

ہمایُوں کی جلاوطنی

اب ہمایُوں اور شیر شاہ دونوں معرکے کی تیّاریاں کرنے لگے۔ تقریبًا ایک سال بعد قنّوج کے پاس دوبارہ لڑائی ہُوئی اور ہمایُوں نے اِس مرتبہ بھی شِکست کھائی۔ وہاں سے بھاگ کر آگرہ پہُنچا۔ وُہ چاہتا تھا کہ سب بھائی مِل کر دُشمن کا مُقابلہ کریں، لیکن بھائی اُس کا ساتھ دینے پر تیّار نہ ہُوئے۔ اِس پر اُسے مجبُور ہو کر آگرہ چھوڑنا پڑا۔ وُہ تین سال تک راجپُوتانہ اور سِندھ میں مارا مارا پھِرتا رہا۔ اُس زمانے میں اُس نے حمیدہ بیگم بانو سے شادی کی۔ ۱۵۴۲ء میں عُمر کوٹ (سندھ) کے مقام پر اس کے ہاں بیٹا پیدا

ہُوا، جس کا نام اکبر رکھا۔ اُس وقت ہمایوں کی یہ حالت تھی کہ خُوشی منانے کے لیے اُس کے پاس مُشکِ نافہ کے سِوا کُچھ نہیں تھا۔ اُس نے اُس کو ہی تھوڑا تھوڑا سا سب میں تقسیم کر دِیا۔ 1543ء میں ہمایوں قندھار چلا گیا۔ جہاں اُس کا بھائی عسکری حکمران تھا۔ عسکری نے ہمایوں کی کوئی مدد نہ کی، بلکہ اُسے گرفتار کرنے کی کوشِش کی۔ اِس لیے وُہ اِیران کے بادشاہ سے مدد حاصِل کرنے کے لیے اِیران چلا گیا۔

سلطنت کی بحالی

1545ء میں اِیران کے بادشاہ شاہ طہماسپ نے ایک فوج ہمایوں کے حوالے کر دی۔ اُس نے پہلے اپنے بھائی عسکری سے قندھار اور پھر دُوسرے بھائی کامران سے کابل لے لیا اور جولائی 1555ء میں دہلی پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اب کے اُس نے صِرف چھ مہینے حکُومت کی۔ ہمایوں کو ستاروں کے عِلم سے بڑی دِل چسپی تھی۔ ایک دن شام کے وقت وُہ ایک ستارے کو دیکھنے کے لیے کُتب خانے کی چھت پر گیا۔ اُترتے وقت اُس کا پاؤں پھسل گیا اور ایسی چوٹ لگی کہ تھوڑے دن کے بعد اِسی صدمے سے دُنیا سے رُخصت ہو گیا۔

سیرت

ہمایوں بہادر سپاہی تھا، مگر اچھا سالار نہیں تھا۔ وُہ خُود عالم تھا اور عالموں کی بڑی قدر کرتا تھا۔ اس کو کتابوں کا بھی بڑا شوق تھا۔ جو نئی کتابیں اُس کے کتب خانے میں آتی تھیں، اُن کو اپنے ہاتھ سے رجسٹر میں درج کرتا تھا۔ اُس نے سفر کے زمانے میں بھی اپنا کتب خانہ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا اور ستاروں کے علم اور ریاضی کا مطالعہ کرتا رہا۔ وُہ ایران سے اپنے ساتھ مصوّر اور خُوش نویس لایا۔ یہاں کے فن کاروں نے ان سے ان فنُون کو سیکھا اور اس طرح سے یہاں نئی طرز کی تصویریں بننے لگیں۔ بابر نے اپنے بیٹے کو وصیّت کی تھی کہ وُہ ہندُوؤں سے رواداری اور مہربانی کا سلُوک کرے۔ ہمایوں نے اُس کی وصیّت پر پُورا پُورا عمل کیا۔ اُس کے بھائیوں نے اُس کے خلاف بار بار بغاوت کی، لیکن اُس نے ہر مرتبہ اُن کو معاف کر دیا۔

جلالُ الدّین محمّد اکبر

سنہ 1556ء سے سنہ 1605ء

اکبر سنہ 1542ء میں پیدا ہُوا۔ اُس کو لڑکپن سے ہی شکار اور



سواری کا شوق تھا۔
مگر اُس نے پڑھنے لکھنے
پر کوئی توجّہ نہ کی، لیکن
پھر بھی اُس نے اپنے
دربار میں بڑے بڑے عالم
جمع کر لیے تھے۔ وہ رات
کو اُن سے عِلمی باتیں کرتا
تھا۔ اِس طرح اُس میں
بڑی لیاقت پیدا ہو گئی۔
جب ہمایوں کا اِنتقال ہُوا،
تو اکبر کی عُمر چودہ سال کی تھی۔ اُس وقت وہ
اپنے اتالیق بیرم خان کے ساتھ ایک باغی سردار،
سکندر سُور کا پیچھا کر رہا تھا۔ جب اُس کو ہمایوں
کے اِنتقال کی خبر مشرقی پنجاب کے شہر کلانور
میں مِلی، تو بیرم خاں نے اُس وقت بڑی عقل مندی
کی۔ اُس نے کلانور میں ہی ایک دربار قائم کِیا
اور اُس میں اکبر کی تخت نشینی کا اِعلان کر دِیا۔

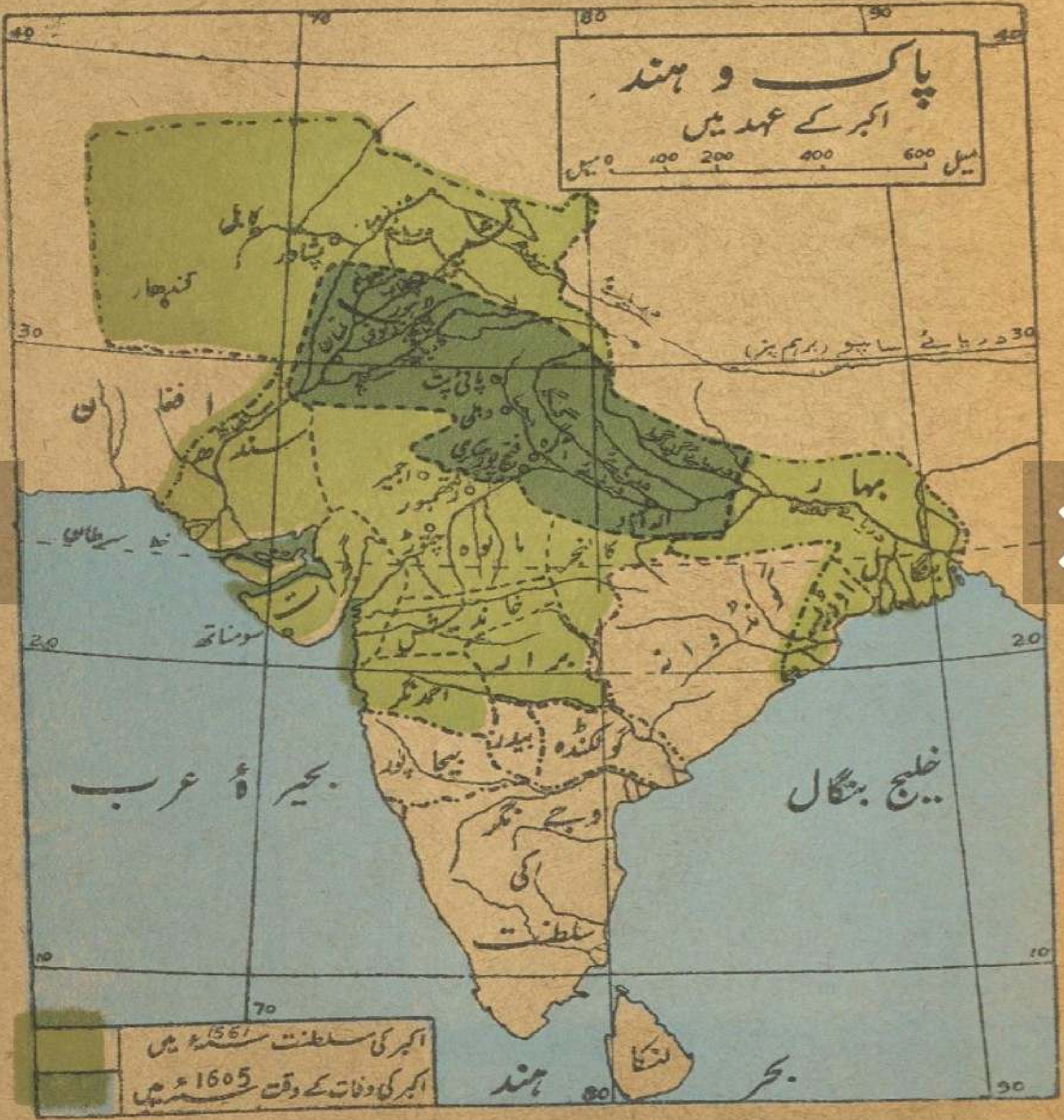
پانی پت کی دُوسری جنگ 1556ء

ہمایوں نے
صِرف پنجاب

دِہلی اور آگرہ ہی پر قبضہ کیا تھا۔ باقی سلطنت ابھی تک دُشمنوں کے ہاتھ میں تھی۔ سُوری خاندان کے بادشاہ عادِل شاہ سُور کے سالار ہیموں نے دِہلی کو فتح کر لیا اور ایک لاکھ آدمیوں کا ٹِڈی دل لے کر پانی پت کی طرف بڑھا۔ اس وقت مغل امیروں نے مشورہ دیا کہ اِتنی بڑی فوج کا مقابلہ مُشکِل ہے۔ اِس لیے ہمیں کابل کو لَوٹ جانا چاہیے۔ لیکن بیرم خاں اپنے اِرادے کا بڑا پکا تھا۔ وُہ بیس ہزار فوج سے ہیموں کے لشکر پر ٹُوٹ پڑا اور اُسے شکستِ فاش دی۔ کُچھ عرصے کے بعد سکندر سُور نے بھی اِطاعت قبُول کر لی۔

فتُوحات

دُشمنوں کو فتح کرنے کے بعد اکبر نے اپنی سلطنت کو بڑھانے کا اِرادہ کیا۔ سب سے پہلے اُس نے جون پور اور گوالیار پر قبضہ کیا۔ راجپُوتانے میں راجپُوتوں کے بڑے زبردست قلعے تھے۔ اُن میں ایک کر کے چتّوڑ، رنتھمبور اور کالنجر کو فتح کر لیا۔ اُس کے بعد اُس نے اِن صُوبوں کو فتح کرنے کا اِرادہ کیا جو زیادہ دُور تھے اور آہستہ آہستہ گجرات، بنگال، کشمیر، سِندھ اور قندھار



پاک و ہند
اکبر کے عہد میں
میل 600 400 200 100 0 میل
کابل
پشاور
کندھار
سندھ
پانی پت
دہلی
اجمیر
بہار
مالوہ
سومناتھ
برار
احمد نگر
بیدر
گولکنڈہ
بیجاپور
وجے نگر کی سلطنت
بحیرۂ عرب
خلیج بنگال
بحر ہند
لنکا
اکبر کی سلطنت 1561ء میں
اکبر کی وفات کے وقت 1605ء میں

پر قبضہ کر لیا۔ اِس زمانے میں دکن میں کئی ایک اِسلامی سلطنتیں تھیں۔ اکبر کی فوجوں نے احمد نگر کی سلطنت پر حملہ کیا۔ وہاں کا حکمران نابالغ تھا۔ اکبر کی فوجوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا، لیکن اس کی پھوپھی چاند بی بی نے بڑی دلیری سے مقابلہ کیا۔ چاند بی بی جنگ میں آگے آگے رہتی تھی اور سپاہیوں کا دل بڑھاتی تھی۔ جب تک چاند بی بی رہی، مُغل فوج احمد نگر کے قلعے کو فتح نہ کر سکی۔ لیکن کُچھ عرصے کے بعد اُس کے سرداروں نے چاند بی بی سے غدّاری کی اور اُسے قتل کر دیا۔ اِس کے بعد احمد نگر مغلیہ سلطنت میں شامل ہو گیا۔ اِس طرح اکبر کی سلطنت کی حدیں دُور دُور تک پھیل گئیں۔

سلطنت کا اِنتظام

اکبر نے ایک بڑا عُمدہ نظامِ حکومت قائم کیا۔ اس نے اپنی سلطنت کو پندرہ صُوبوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر صُوبے کے حاکم کو صُوبے دار کہتے تھے۔ ہر صُوبے کی فوج اور دُوسرے محکمے اُس کے ماتحت ہوتے تھے۔ اُس کی اِمداد کے لیے ایک دِیوان یعنی وزیرِ مال مقرّر کیا جاتا تھا۔ یہ لگان کا حِساب رکھتا تھا۔ ہمارے ہاں انتظام کے لیے صُوبے کو ضِلعوں میں اور ضلعے کو

تحصیلوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اِس قسم کی تقسیم اکبر کے زمانے سے ہی چلی آ رہی ہے۔ اُس زمانے میں صوبے کو سرکاروں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ ہر سرکار میں پرگنے ہوتے تھے۔ سرکار کے بڑے افسر کو فوج دار کہتے تھے۔ اُس کے ساتھ حساب کتاب کا ایک افسر بھی کام کرتا تھا۔ عدل و انصاف کا محکمہ قاضیوں کے حوالے تھا۔ کوتوال شہروں اور قصبوں میں امن و امان قائم رکھنے کے ذمّہ دار تھے۔

لگان کا نظام

اکبر نے لگان کے اِنتظام کو بھی بہتر بنایا۔ اُس کی یہی کوشش تھی کہ کسانوں پر کسی قسم کی زیادتی نہ ہو۔ سب سے پہلے یہ اندازہ لگایا گیا کہ ہر بیگھے میں کتنی پیداوار ہوتی ہے۔ جو زمین زیرِ کاشت ہوتی تھی، اُس پر حکومت اِس پیداوار کا تیسرا حصّہ لگان کے طور پر لیتی تھی اور اگر کم ہوتی تھی تو اُس کے مطابق لگان میں بھی کمی کر دی جاتی تھی۔

سماجی ترقی

اکبر نے اپنے دربار میں بڑے بڑے قابل لوگوں کو جمع کر لیا تھا۔ اُن

میں سے ایک اُس کا وزیر اُبوالفضل بھی تھا۔ اُس نے اکبر کے زمانے کی ایک تارِیخ لکھی ہے، جس کا نام اکبر نامہ ہے۔ اُس کی ایک دُوسری کتاب آئینِ اکبری ہے۔ اُس میں اُس نے اکبر کی سلطنت اور اُس کے اِنتظام کا حال بیان کِیا ہے۔ ابُوالفضل نے اِس کتاب میں بتایا ہے کہ اکبر نے لوگوں کی ترقی کے لیے کیا کیا کُچھ کِیا۔ اکبر کو عام لوگوں کی تعلیم سے بڑی دل چسپی تھی۔ اُس نے بچّوں کو پڑھانے کا ایک نیا طریقہ نکالا۔ اُس نے مُصوّروں اور خُوش نویسوں کی تعلیم کے لیے ایک تصویر خانہ بھی بنایا جہاں اِیران کے مشہُور فن کار یہاں کے مُصوّروں کو تصوِیر بنانا سِکھاتے تھے۔ بادشاہ ہر ہفتے ان کی بنی ہُوئی تصوِیریں دیکھتا اور اِنعام دیتا تھا۔ اُس نے گھوڑے اور اُونٹ اور دُوسرے جانوروں کی نسل کو بہتر بنانے کی بھی کوشِش کی۔ بادشاہ نے مُلک میں پھلوں کی کاشت کو بھی بہتر بنایا۔ اُس نے مُلک کے بعض حِصّوں میں آم کے بڑے بڑے باغ لگوائے۔ پنجاب میں آم نہیں ہوتا تھا۔ بادشاہ نے وہاں اس کے باغات کو رواج دِیا۔

اکبر کو گانا سُننے کا بھی بہت شوق تھا۔ اُس کے دربار میں بڑے بڑے مشہور گویّے تھے۔ اُن میں سب سے مشہور گویّے کا نام "تان سین" تھا۔ اُس کے بنائے ہوئے راگ ہمارے مُلک کے گویّے آج بھی گاتے ہیں۔ بادشاہ نے آگرے اور فتح پور سیکری میں بڑی خوب صورت عمارتیں بنائیں۔ اس کے مصوّروں نے ان کی دیواروں کو تصویروں سے مزیّن کیا۔ ان عمارتوں کو لوگ آج بھی دُور دُور سے دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔

بادشاہ کو علمی باتوں میں بھی دل چسپی تھی۔ اُس کے دربار میں دُوسرے مُلکوں کے عالِم بھی موجود تھے۔ بادشاہ نے اپنے محل میں ایک ہال کمرہ بنوایا تھا۔ اُس کو عبادت خانہ کہتے تھے۔ وہاں ہر قسم کی علمی بحثیں ہوتی رہتیں۔ ان مجلسوں کا صدر خود بادشاہ ہوتا تھا۔ اکبر نے ایک نیا مذہب بھی ایجاد کیا تھا۔ اُسے "دینِ الٰہی" کہتے تھے۔ مگر اس کو صرف دربار کے چند امیروں نے ہی قبول کیا تھا۔ یہ مذہب اُس کی موت کے بعد اپنے آپ ختم ہو گیا۔ اکبر کے زمانے میں بعض بہت بڑے عالم اور بزرگ ہو گزرے ہیں۔ اُن

میں سے شیخ عبدالحقؒ محدّث دہلوی سب سے بڑے مسلمان عالم تھے۔ وہ پاک بازی اور خدا ترسی میں مشہور تھے۔ انھوں نے اسلام کے متعلق کئی کتابیں لکھیں۔ خواجہ باقی باللہؒ بھی اسی زمانے کے مشہور بزرگ اور عالم تھے۔ وہ اکبر کے عہد میں دہلی آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ ان کی نیکی اور خدا ترسی سے ہزاروں لوگوں نے فیض اٹھایا۔ اکبر کے عہد میں تلسی داس نے ہندی میں رامائن لکھی۔ یہ ہندوؤں کی ایک مشہور مذہبی کتاب ہے۔

اکبر کے زمانے میں ملک بھر میں تعلیم کے بڑے بڑے مدرسے تھے۔ ان میں جون پور، دہلی لاہور، سیالکوٹ اور احمد آباد کے مدرسے زیادہ مشہور تھے۔

اکبر نے 1605ء میں وفات پائی اور اسے آگرے کے نزدیک سکندرہ میں دفن کیا گیا۔ اس کی قبر پر ایک شان دار مقبرہ آج بھی اپنی خوبصورتی کی وجہ سے مشہور ہے۔

سوالات اور مشقیں

1 جس تاریخی دور کے حالات تم پڑھ چکے ہو، وہ اسّی سالوں پر پھیلا ہُوا ہے۔ جماعت کے کمرے کی دیوار پر آٹھ فٹ لمبا رنگین اُفقی خط کھینچو۔ اس پر بابر، ہمایوں اور اکبر کی تصویریں وقت کی ترتیب کے مطابق لگا دو۔ ہر بادشاہ کے عہد کے اہم واقعات کا خلاصہ الگ چارٹوں پر لکھو اور ہر چارٹ اس بادشاہ کی تصویر کے ساتھ لگا دو۔

2 اس باب میں جن قصبوں اور شہروں کا ذکر آیا ہے، ان کی ایک فہرست بناؤ اور ایشیا کا نقشہ سامنے رکھ کر ہر ایک کی نشان دہی کرو۔ ہر شہر کے سامنے اس ملک کا نام لکھو، جس میں وہ اب واقع ہے۔

3 کیا تمھارے پاس ہمایوں یا اکبر کے عہد کی کوئی تصویر ہے؟ اس تصویر میں تم جو کچھ دیکھتے ہو، اُسے چند فقروں میں بیان کرو۔

4 اپنے ملک کے کسی عجائب خانے میں جاؤ اور ان تمام چیزوں کی فہرست بنا لو، جو تم وہاں دیکھو اور ان کا تعلق اس عہد سے ہو۔

5 بابر کی سیرت اور اس کی دل چسپیاں اختصار سے بیان کرو۔

6 فرض کرو کہ تم ہمایوں ہو۔ اپنی زندگی کے حالات بیان کرو۔ بتاؤ کہ تم کیونکر شہنشاہ بنے؟ کس وجہ سے سلطنت کھوئی اور کیونکر اسے دوبارہ حاصل کیا؟

7 عہدِ اکبری کے حالات پھر ایک مرتبہ پڑھ لو اور بتاؤ کہ:-

(ا) اکبر کا نظامِ حکومت کیسا تھا؟

(ب) اُس نے لگان کے نظام میں کیا اِصلاح کی؟

(ج) اُس کے عہد میں تہذیب و تمدّن میں کیا ترقی ہوئی؟

8 مندرجہ ذیل سن اور اشخاص کس وجہ سے مشہور ہیں:-

1526ء، 1540ء، 1555ء، 1556ء، 1605ء، عسکری، ہندال، کامران، شاہِ طہماسپ، ابوالفضل، میاں تان سین، شیخ عبدالحق محدّثؒ۔

9 تم کیونکر کہہ سکتے ہو:-

(ا) بابر بہادر اور قابل جرنیل تھا؟

(ب) ہمایوں بہادر سپاہی تھا، مگر اچھا جرنیل نہ تھا؟

نواں باب

سلطنتِ مغلیہ کا اوجِ کمال

سنہ 1605ء سے سنہ 1707ء

نورالدین محمد جہانگیر

سنہ 1605ء سے سنہ 1627ء

اکبر کے بعد اُس کا بیٹا شہزادہ سلیم آگرے میں تخت پر بیٹھا۔ اُس نے



نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ "غازی" لقب اختیار کیا۔ تخت نشینی کے تھوڑے عرصے بعد اُس نے عام لوگوں کی بھلائی کے لیے چند حکم جاری کیے۔ تجارت پیشہ لوگوں پر کئی

کے ٹیکس لگائے جاتے تھے۔ اُس نے اِن میں سے کئی ایک ٹیکس معاف کر دیے۔ شراب اور دوسری نشہ آور چیزوں کی مُمانعت کر دی۔ اُس نے شاہی قلعے کے باہر ایک زنجیر لٹکانے کا حکم دیا۔ اُس کا ایک سرا قلعہ آگرہ کے شاہ بُرج سے بندھا ہُوا تھا اور دُوسرا پتھّر کے ایک سُتون سے، جو دریائے جمنا کے کنارے نصب تھا۔ اسے "زنجیرِ عدل" کہتے تھے۔ یہ خالص سونے کی زنجیر تیس گز لمبی تھی۔ اُس میں گھنٹیاں لگی ہُوئی تھیں، جن کا وزن چار من تھا۔ اگر کسی پر ظُلم ہوتا تو وہ قلعے کے باہر زنجیرِ عدل ہلا دیتا تھا۔ اس سے گھنٹیاں بجنے لگتیں اور بادشاہ کو اُس کا پتہ چل جاتا۔

جنگی مُہمّیں

جہانگیر کے زمانے میں فتُوحات زیادہ نہیں ہُوئیں، لیکن پھر بھی چند ایک علاقے سلطنت میں شامل کیے گئے۔ سنہ 1614ء میں جہانگیر کے منجھلے بیٹے خرّم نے میواڑ کو فتح کر لیا۔ اس کے راجہ نے وفاداری کا عہد کیا اور خراج دینے کا وعدہ کیا۔ راجپُوتوں کی یہ زبردست ریاست اکبر کے زمانے میں فتح نہ ہو سکی تھی۔ جہانگیر نے

راجہ کے ساتھ بڑی فراخ دلی سے برتاؤ کیا اُسے ہر قسم کی رعایتیں دیں ۔ اس کے بعد کانگڑہ بھی فتح کر کے سلطنت میں شامل کر لیا گیا ۔ شہزادہ خُرّم نے احمد نگر کی ریاست کو فتح کیا جہانگیر اس قدر خُوش ہُوا کہ اُسے "شاہ جہاں" خطاب عنایت کیا ۔ اُس کے زمانے میں ایک یہ ہُوا کہ قندھار کا صُوبہ مُغلوں کے ہاتھ سے نکل

اُس کے زمانے میں کُچھ بغاوتیں بھی ہُوئیں جہانگیر کو تخت پر بیٹھے ایک سال ہی ہُوا تھا کہ کے بڑے لڑکے خُسرو نے بغاوت کر دی، لیکن کھائی ۔ اس کے بدلے میں اُسے عُمر بھر قید میں پڑی ۔ بنگال کے افغانوں نے اپنے سردار عثمان کی سرکردگی میں بغاوت کی، لیکن شکست کھائی ۔ نے ان کے ساتھ بڑی مہربانی کا سلوک کیا اور میں سے اکثر شاہی فوج میں داخل ہو گئے ۔

نُورجہاں

جہانگیر کی سب سے مشہور ملکہ نُورجہاں تھا ۔ اُس کا اصلی نام مہر تھا ۔ وہ مرزا غیاث کی بیٹی تھی، جو ایران کے امیر خاندان سے تعلق رکھتا تھا ۔ مہرالنسا 1577ء



ہوئی۔ اُس
شادی فوج
ایک ایرانی
علی قلی خاں
ہوئی۔ جہانگیر
تک بادشاہ
بنا تھا۔ اُس
میں علی قلی
نے بڑی
ری سے ایک
کا شکار کیا تو

نے علی قلی خاں کو شیر افگن کا خطاب دیا تھا۔
شاہ بننے کے بعد جہانگیر نے شیر افگن کو بردوان
بنگال) میں جاگیر دے دی۔ وہ تیز مزاج آدمی تھا۔
کا بنگال کے حاکم سے جھگڑا ہو گیا اور وہ اسی
میں مارا گیا۔ اُس زمانے میں بادشاہ اپنے
سردوں کے خاندان کی حفاظت کا خاص خیال رکھتے
۔ مہرالنسا اپنے خاوند کی وفات کے بعد شاہی محل
آ گئی اور جہانگیر کی والدہ کی نگرانی میں چار سال

تک شاہی محل میں رہتی رہی ۔ 1611ء میں جہانگیر
نے اُس سے شادی کر لی ۔

مہرُ النساء بڑی ذہین اور قابل عورت تھی ۔ قدرت
نے اُسے بڑی خوبیاں عطا کی تھیں ۔ وہ بڑی حوصلہ مند
اور باتدبیر تھی ۔ اُس کے ساتھ ساتھ وُہ
سیاست کو بھی خوب سمجھتی تھی ۔ آہستہ آہستہ اُس نے
جہانگیر پر اپنا پُورا اثر جما لیا ۔ بادشاہ نے اُسے "نور جہاں"
کا خطاب دیا ۔ وہ فنونِ لطیفہ اور دستکاریوں کی
قدردان تھی ۔ اُس نے زیورات اور کپڑوں کے
نمونے ایجاد کیے ۔ اُس نے کپڑوں کے ایسے
بھی بنائے، جو خوب صورت بھی تھے اور سستے
اِن کپڑوں سے وُہ غریب لڑکیوں کے جہیز بنواتی
اور اُنھیں مُفت تقسیم کرتی تھی ۔ اُس کے باپ
بھائی کو اعلیٰ عہدے حاصل تھے ۔ اُس کی بھتیجی
محل کی شادی شہزادہ خُرّم (شاہ جہاں) سے
تھی ۔ اُس کی بیٹی، جو شیر افگن سے تھی، اُس کی شادی
جہانگیر کے دُوسرے بیٹے شہریار سے ہُوئی تھی

جہانگیر کی وفات کے بعد نُورجہاں نے لاہور
گوشہ نشینی کی زندگی بسر کی ۔ وُہ غریبوں کی

امداد کرتی تھی۔ وہ ہر سال سینکڑوں غریب لڑکیوں کے لیے جہیز بنا کر دیتی تھی۔ اُس کے ہاں سے ہزاروں بیوائیں وظیفے پاتی تھیں۔ اُس نے 1642ء میں وفات پائی اور اُسے شاہدرے میں جہانگیر کے مقبرے کے قریب دفن کیا گیا۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ

آپؒ سرہند میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کو لوگ مجدّد صاحب اِس لیے کہتے ہیں کہ آپؒ نے اسلام کو نئے سرے سے فروغ دیا۔ اُس زمانے میں مسلمانوں میں بعض غیر اسلامی رسمیں رواج پا گئی تھیں۔ حضرت مجدّدؒ نے اِن رسموں کو بند کرنے پر زور دیا۔ اکبر نے مذہب کے معاملے میں بعض نئی چیزوں کو ایجاد کر لیا تھا۔ آپؒ نے اُس کی مخالفت کی۔ آپؒ کی تبلیغ سے ہزاروں اشخاص پر گہرا اثر پڑا۔ بہت سے لوگ آپ کے پیرو ہو گئے۔ اُن میں اُمرا اور فوج کے افسر بھی شامل تھے۔ جہانگیر کے درباریوں کی ایک جماعت بادشاہ کو حضرت مجدّد کے خلاف اُکساتی رہی۔ اِس پر جہانگیر نے آپؒ کو دربار میں طلب کیا۔ حضرت مجدّد دربار میں گئے، مگر عام طریقے کے مطابق آپؒ

نے بادشاہ کے سامنے سجدے کی رسم ادا نہ کی۔ کیونکہ آپؒ اس رسم کو اسلام کے خلاف سمجھتے تھے۔ بادشاہ نے انھیں ایسی باتوں کی وجہ سے کچھ مدّت تک گوالیار کے قلعے میں نظر بند رکھا۔

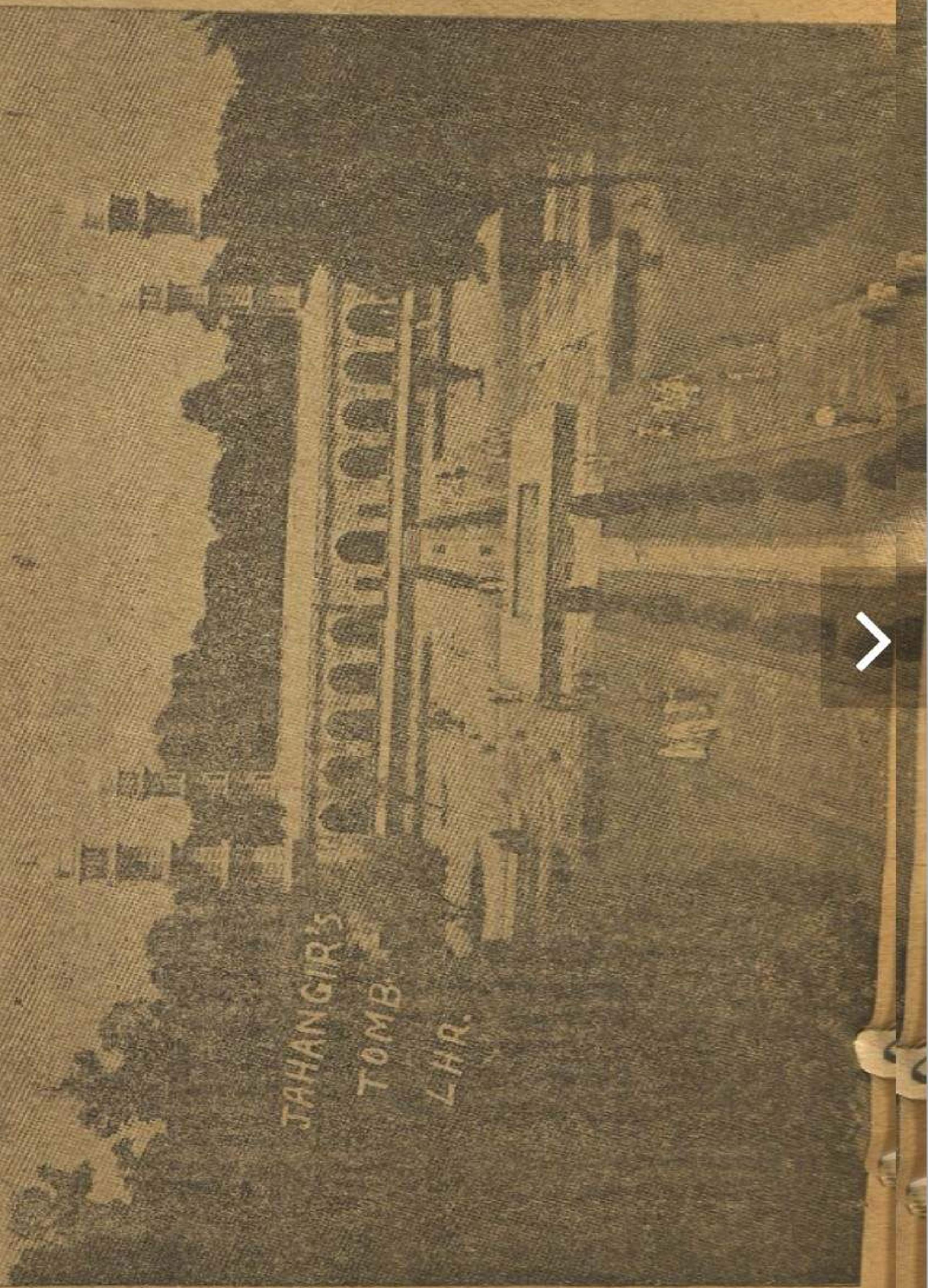
پھر کچھ عرصے کے بعد جہانگیر کی رائے بدل گئی اور اس نے حضرتِ مجدّدؒ کو رہا کر دیا۔ جب آپؒ دربار میں گئے تو بادشاہ اُن کے ساتھ احترام سے پیش آیا اور یہ وعدہ بھی کیا کہ غیر اسلامی رسمیں بند کر دی جائیں گی۔

حضرتِ مجدّدؒ پرہیز گاری اور شریعت کی پابندی پر بہت زور دیتے تھے۔ آپؒ کا اثر دُوسرے اسلامی مُلکوں میں بھی پہنچ گیا تھا۔ آپؒ نے 1625ء میں وفات پائی اور آپؒ کو سرہند میں دفن کیا گیا۔ آج بھی پاکستان اور دُوسرے مُلکوں سے ہزاروں لوگ آپؒ کے مزار کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔

جہانگیر کی سیرت

جہانگیر مُنصف اور فراخ دل حکمران تھا۔ اُس نے اچھی تعلیم پائی تھی اور فنونِ لطیفہ کا دل دادہ تھا۔ اُس نے اپنی زندگی کے حالات اپنی کتاب "توزکِ جہانگیری"

مقبرہ جہانگیر (لاہور)



مسجد وزیر خاں (لاہور)



WAZIR KHAN'S MOSQUE
LAHORE



میں لکھے ہیں ۔ جہانگیر نے اپنے عہد میں کابل اور کشمیر کا کئی بار سفر کیا ۔ وہ جہاں جاتا تھا، وہاں کے پھولوں، پودوں، پرندوں اور جانوروں کے حالات لکھتا تھا ۔ اُس کے دربار میں بہت سے مُصوّر بھی تھے ۔ وہ اُن سے نئی نئی چیزوں کی تصویریں بنواتا تھا ۔ نئے پرندوں اور جانوروں کو اپنے ہاں پالتا تھا اور اُن کی عادتوں کا مشاہدہ کرتا تھا ۔ اُس کو پھولوں اور پھلوں سے بھی بڑی دلچسپی تھی ۔ وہ نئے درخت اور باغ لگانے کا بھی بہت شوقین تھا ۔ سری نگر کا شالامار باغ اُسی کے زمانے میں بنایا گیا ۔

جہانگیر کے عہد میں ڈھاکہ کا نام بدل کر جہانگیر نگر رکھا گیا اور یہی شہر بنگال کا صدر مقام تھا ۔ جہانگیر نے لاہور اور آگرے میں بعض خوب صورت عمارتیں بنوائیں ۔ اُسے شکار کا بڑا شوق تھا ۔ اِس کے لیے اُس نے شیخوپورہ میں ہرن مینار بنایا تھا ۔ 1627ء میں جب وہ کشمیر سے واپس لوٹ رہا تھا، تو اُس نے راستے میں ہی وفات پائی اور اُسے لاہور کے نزدیک شاہدرہ کے ایک باغ میں دفن کیا گیا ۔ اُس کا مقبرہ دُنیا کے خوب صورت مقبروں

میں شمار ہوتا ہے۔

شہاب الدّین شاہ جہاں
1628 سنہ ء سے 1658 سنہ ء

جہانگیر کے بیٹوں میں شاہ جہاں سب سے زیادہ قابل تھا۔ وہ 1628 سنہ ء کے شروع میں تخت پر بیٹھا اور 1658 سنہ ء تک حکومت کرتا رہا۔



پرتگیزوں کی سرکوبی

شاہ جہاں کی حکومت کے ابتدائی دور میں شاہی فوج کو بنگال کے اندر پرتگیزوں کے خلاف سخت کاروائی کرنی پڑی۔ پرتگیز لوگ 1498 سنہ ء میں پرتگال سے تجارت کے لیے آئے تھے۔ اکبر اور جہانگیر کی سرپرستی میں انھوں نے ہُگلی اور بعض دوسرے مقامات پر تجارتی کوٹھیاں قائم کرلیں۔ جن میں سے بعض کی عمارتیں تو قلعوں جیسی مضبوط تھیں۔ آہستہ آہستہ ان کے حوصلے بہت

بڑھ گئے۔ وہ بے یار و مددگار دیہاتیوں پر بڑے ظلم کرنے لگے۔ انھوں نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے بچّوں کو پکڑ کر جبراً عیسائی بنانا شروع کیا۔ وہ اِن بچّوں کو غلاموں کی حیثیت سے بیچ بھی ڈالتے تھے۔ حکومت نے تجارت کی غرض سے اُنھیں رعایتیں دے رکھّی تھیں۔ اُنھوں نے اس سے ناجائز فائدہ اُٹھایا۔ اِس پر بنگال کے حاکم نے اُنھیں سزا دینے کے لیے حملہ کر دیا۔ اُس میں دس ہزار کے قریب پُرتگیز مارے گئے یا دریائے ہُگلی میں ڈوب مرے۔ چار ہزار چار سو گرفتار ہوئے۔ جب اُن کی کوٹھیوں کی تلاشی لی گئی تو اُن میں سے دس ہزار مظلوم ایسے ملے، جن کو اُنھوں نے قید میں رکھ کر غلام بنا لیا تھا۔

دکّن کی مہمّیں

اکبر کے زمانے میں احمد نگر کی سلطنت فتح ہو چُکی تھی، لیکن ابھی گولکنڈہ اور بیجاپُور کی سلطنتیں قائم تھیں۔ اُن کے حُکمران مُغلوں کے خلاف برابر سازشیں کرتے رہتے تھے۔ شہزادہ اورنگ زیب کو دکّن کی حکومت سونپی گئی تو اُس نے وہاں کے انتظام کو بہت بہتر بنا دیا۔ لیکن جب اُسے 1644ء میں واپس بُلا لیا گیا۔

تو دکّن کے حالات پھر بگڑ گئے۔ 1651ء میں اورنگ زیب کو دوبارہ دکّن بھیجا گیا۔ اُس نے دوبارہ امن بحال کر دیا۔ زراعت کی حالت بہتر بنا دی اور عام لوگوں کی بھلائی کا خاص خیال رکھا۔ اورنگ زیب گولکنڈہ اور بیجاپور کو فتح کر لینے والا تھا کہ شاہ جہان نے اُسے دونوں مُلکوں کے حُکمرانوں سے صُلح کر لینے کا حُکم دے دیا۔

ملک کی عام خوش حالی

شاہ جہان کے عہدِ حکومت میں سارے ملک میں ہر طرف امن و امان تھا۔ لوگوں پر ٹیکس بھی زیادہ نہیں تھے، لیکن اُس کے باوجود آمدنی بہت بڑھ گئی تھی۔ بادشاہ کا خزانہ بھرپور تھا۔ اِس لیے شاہ جہان نے عمارتوں پر دل کھول کر خرچ کیا اور لوگوں کی بھلائی کے دُوسرے کاموں پر بھی توجّہ دی۔ اس زمانے میں ایک عیسائی پادری ہمارے ہاں آیا تھا۔ اُس نے یہاں کے بہت سے شہروں کو گھوم پھر کر دیکھا۔ اُس کا کہنا ہے کہ چیزوں کی قیمتیں بہت کم تھیں۔ کھانے پینے کی چیزیں سستی اور کثرت سے مِلتی تھیں۔ صنعت و حرفت اور تجارت بھی دن بدن ترقّی پر تھی۔

شالامار باغ (لاہور)



SHALIMAR GARDEN
LHR.





تاج محل (آگرہ)

تعمیرات

شاہ جہاں کو نئی عمارتیں بنانے کا خاص شوق تھا ۔ اُس نے شان دار عمارتوں اور باغات پر دل کھول کر روپیہ صرف کیا ۔ جب اُس کی بیگم مُمتاز محل کی وفات ہُوئی تو بادشاہ نے اُس کی یاد میں آگرے کے شہر میں تاج محل کا روضہ بنایا ۔ یہ دُنیا کی مشہُور عمارتوں میں سے ہے ۔ تاج محل پُورے کا پُورا سفید برّاق سنگِ مرمر کا بنا ہُوا ہے اور دن کے وقت اِس طرح چمکتا ہے کہ اُس پر نظر جم نہیں سکتی ۔ اِس لیے بعض لوگ اسے سنگِ مرمر کا خواب کہتے ہیں ۔

شاہ جہاں نے اِس کے علاوہ اور بہت سی عمارتیں بنوائیں ۔ اُن میں زیادہ مشہُور دہلی کا لال قلعہ اور وہاں کی جامع مسجد ہے ۔ لاہور کی موتی مسجد ، جہانگیر کا مقبرہ ، قلعۂ لاہور کا شیش محل اور لاہور کا شالا مار باغ بھی دیکھنے کے قابل ہیں ۔ اُس نے سندھ کے شہر ٹھٹھہ میں بھی ایک شان دار مسجد بنوائی ۔

شاہ جہاں نے پُرانی دہلی کے قریب ایک نئے شہر کی بُنیاد رکھّی ۔ اس کو شاہ جہاں آباد کہتے تھے ۔ موجودہ دہلی کا شہر اُسی کا آباد کیا ہُوا ہے ۔ اُس کا ایک

انجینئر دریائے جمنا سے ایک نہر کاٹ کر لایا۔ اُسے چاندنی چوک کی نہر اور چھوٹی نالیوں کے ذریعے شہر کے کُوچوں، بازاروں میں پُہنچایا گیا۔ لاہور کے شالا مار کو پانی دینے کے لیے ایک نہر دریائے راوی سے نکالی گئی تھی۔ اُس کے لیے مادھوپور کے مقام پر بند باندھا گیا تھا۔ اس سے باغ کے علاوہ دُوسری زمینوں کو بھی پانی دِیا جاتا تھا۔

شاہ جہاں کی سیرت

شاہ جہاں رحم دِل اور فیّاض حُکمران تھا۔ وُہ علوم و فنون کا بہت بڑا سرپرست تھا۔ اُس نے سیالکوٹ کے مُلّا عبدُالحکیم کو دو دَفعہ چاندی میں تُلوایا اور وُہ رُوپیہ اُن کو اِنعام میں دِیا گیا۔

تاج و تخت کے لیے جنگ

شاہ جہاں کے چار بیٹے تھے۔ اُس نے ہر ایک کو سلطنت کے علیحدہ علیحدہ صُوبوں میں نائب مُقرّر کِیا ہُوا تھا۔ سب سے بڑا بیٹا دارا شکوہ کابل اور مُلتان کا حاکِم تھا۔ وُہ باپ کا بڑا چہیتا تھا اور اُس کا زیادہ وقت باپ کے پاس گزرتا تھا۔ وُہ عِلم و ہُنر کا بڑا قدردان تھا۔ لیکن حکومت

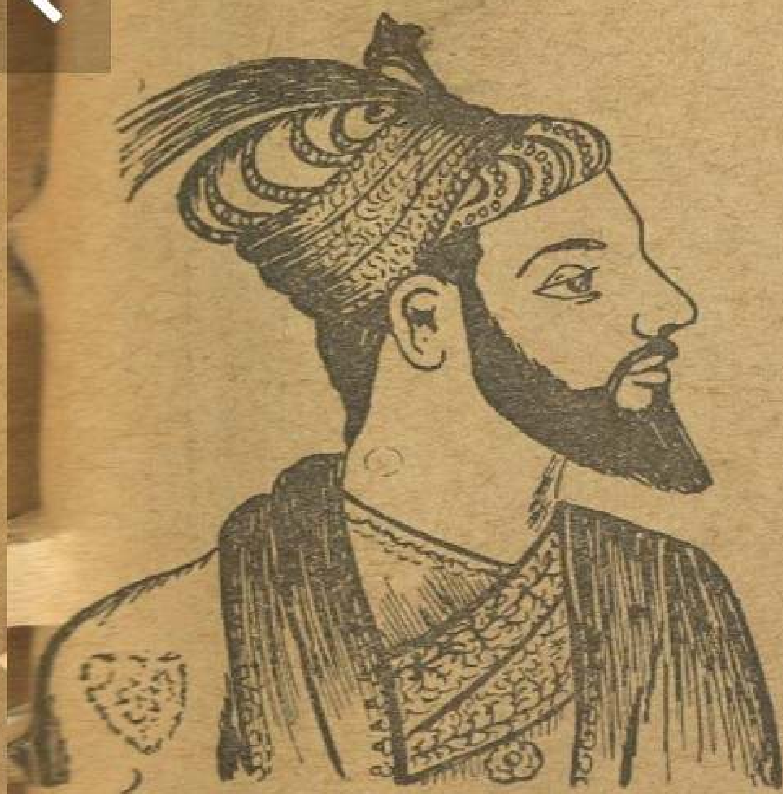
کے کاموں کی طرف کم توجّہ دیتا تھا۔ اِس میں صبر
اِستقلال نہ تھا اور اِنتظامی قابلیّت بھی کم تھی۔ دُوسرا
بیٹا شجاع بنگال کا صُوبے دار تھا۔ وُہ بہت بہادُر تھا،
لیکن عیش و عِشرت کا دل دادہ تھا۔ تیسرا بیٹا اورنگ
زیب دکّن کا حاکِم تھا۔ وُہ بہادُر سپاہی، اعلیٰ درجے
کا جرنیل، قابِل مُنتظِم اور پکّا مُسلمان تھا۔ چوتھے بیٹے
مُراد کو گجُرات کا عِلاقہ مِلا ہُوا تھا۔ وُہ بھی بڑا دلیر
تھا، لیکن طبیعت کا خُود پسند اور مغرُور تھا۔ اُس
میں اِنتظامی قابلیّت بھی زیادہ نہ تھی۔ جب 1657ء میں
شاہ جہاں سخت بیمار ہو گیا تو صِرف داراشکوہ ہی
دربار میں تھا۔ اُس کے دُوسرے بیٹے اپنے اپنے
صُوبوں میں تھے۔

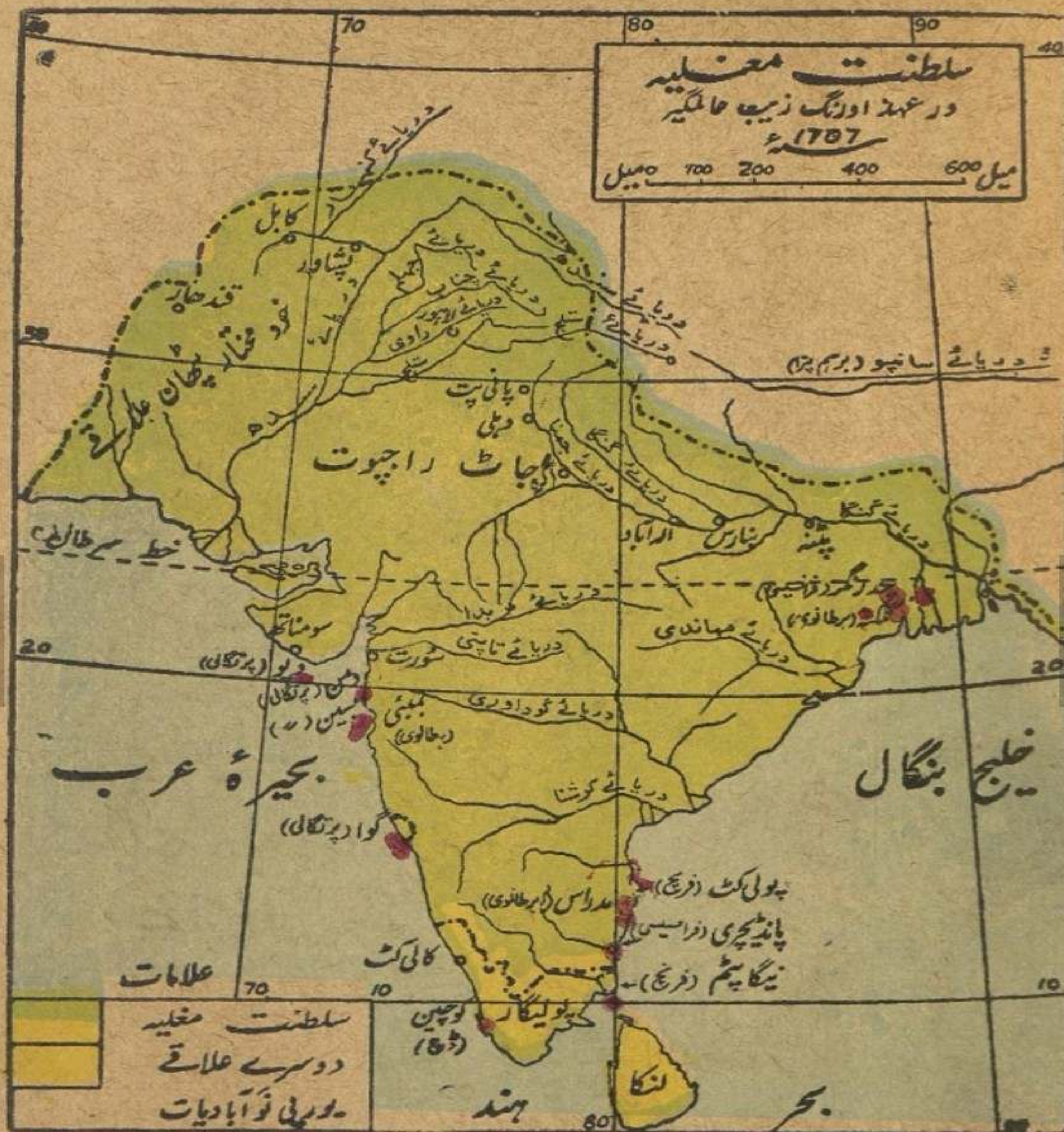
مُغلوں کے ہاں کوئی ایسا قانُون نہیں تھا کہ بڑا
بیٹا ہی باپ کے بعد اُس کی جگہ لے۔ اِس لِیے
شاہ جہاں کے ہر بیٹے نے تخت حاصِل کرنے کے
لیے کوشِش شرُوع کر دی۔ داراشکوہ آگرے میں
باپ کے پاس ہی موجُود تھا۔ اُس نے بھائیوں تک
باپ کی بیماری کی خبریں نہ پہُنچنے دیں اور سلطنت
کا کاروبار خُود سنبھال لِیا۔ اِس وجہ سے بھائیوں کے

درمیان تاج و تخت کے لیے جنگ چھڑ گئی۔ اورنگ زیب اس جنگ میں کامیاب ہُوا اور اس نے بادشاہ بن کر 'عالمگیر' لقب اختیار کیا۔ شاہ جہاں کے بیٹوں میں وُہی سب سے زیادہ قابل تھا۔ اُس نے شاہ جہاں کو آگرہ کے قلعے میں نظر بند کر دیا۔ شاہ جہاں نے 1666ء میں وفات پائی اور تاج محل میں دفن ہُوا

عالمگیر بادشاہ غازی
1658ء سے 1707ء

ابو المظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی 1619ء میں پیدا ہُوا۔ وُہ بڑا خوش تدبیر، بے باک اور بہادر تھا۔ ایک دفعہ شاہ جہاں اپنے بیٹوں کے ساتھ ہاتھیوں کی لڑائی کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں ایک ہاتھی نے بے قابو ہو کر تماشائیوں کا رُخ کیا اور دُوسرا ہاتھی اُس




سلطنت مغلیہ
در عہد اورنگ زیب عالمگیر
۱۷۰۷ء
میل 600 400 200 100 0 میل
70
80
90
40
20
10
کابل
پشاور
قندھار
پانی پت
دہلی
جاٹ راجپوت
الہ آباد
بنارس
پٹنہ
سومنات
سورت
بمبئی (برطانوی)
گوا (پرتگالی)
مدراس (برطانوی)
پانڈیچری (فرانسیسی)
کالی کٹ
کوچین
دریائے سانپو (برہم پترا)
دریائے گنگا
دریائے تاپتی
دریائے گوداوری
دریائے کرشنا
دریائے مہاندی
خط سرطان
بحیرۂ عرب
خلیج بنگال
بحر ہند
لنکا
علامات
سلطنت مغلیہ
دوسرے علاقے
یورپی نوآبادیات

کے پیچھے بھاگا ۔ اُس وقت اورنگ زیب خُود گھوڑا دَوڑا کر سامنے آگیا ۔ اِتنے میں دُوسرے لوگوں نے ہاتھی کو روک لیا ۔ شاہ جہاں نے اِس مَوقع پر بہت زروجواہر تقسیم کِیا ۔ اورنگ زیب نے بہت مُدت تک حکُومت کی اور اُس کے زمانے میں مُغلیّہ سلطنت کی وُسعت آخری حد تک پُہنچ گئی ۔

فوجی مُہمّیں

عالمگیر کے زمانے میں مشرقی اور جنُوبی جانب نئے علاقے سلطنت میں شامل کِیے گئے ۔ شہنشاہ کے قابل سپہ سالار میر جُملہ حاکمِ بنگال نے آسام اور کوچ بہار کو فتح کر لیا ۔ اُس زمانے میں پُرتگیزوں نے چٹاگانگ کو اپنا بحری اڈّا بنا لیا تھا اور وہاں سے وُہ تجارتی جہازوں پر ڈاکے ڈالتے تھے ۔ ایک مرتبہ اُنھوں نے حاجیوں کے جہاز بھی لُوٹ لیے ۔ اِس پر بنگال کے حاکم شائستہ خاں نے اُن پر حملہ کر کے اُن کی ایک سو سے زیادہ کشتیاں قبضے میں لے لیں اور اُنھیں چٹاگانگ سے نکال کر اُس کا نام اِسلام آباد رکھّا ۔

چھوٹی چھوٹی بغاوتیں

عالمگیر کے عہدِ حکُومت کے شرُوع میں متھرا

کے ہندو جاٹوں، نارنول کے ست نامیوں، اور پشاور کے بعض پٹھان قبیلوں نے یکے بعد دیگرے بغاوت کی۔ یہ بغاوتیں فرو کر دی گئیں۔ ان میں سے بعض باغیوں کے خلاف خود عالمگیر فوج لے کر گیا۔

راجپوت اکبر کے زمانے سے ہی راجپوتوں کو مغل دربار میں خاص حیثیت حاصل تھی۔ عالمگیر نے بھی ان کی اس حیثیت کو قائم رکھا۔ اس کے دو سب سے بڑے جرنیل، مرزا راجہ جے سنگھ اور راجا جسونت سنگھ راجپوت تھے۔ عالمگیر نے جسونت سنگھ کو کابل کا صوبے دار مقرر کر دیا تھا۔ 1678ء میں اس نے جمرود (پشاور) کے مقام پر وفات پائی۔ راجپوتوں کو جسونت سنگھ کے جانشین کے بارے میں کچھ غلط فہمی پیدا ہوئی۔ اس پر انھوں نے بغاوت کر دی۔ باغی فوج کی تعداد ستر ہزار تھی۔ عالمگیر نے صرف دس ہزار سپاہ سے انھیں اجمیر کے قریب شکست دی۔ اس کے بعد ان راجپوتوں نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔

سکھ سکھ گوروؤں اور مغل بادشاہوں کے درمیان ابتدا میں خوش گوار تعلقات قائم

تھے۔ لیکن جب گورو ارجن دیو نے جہانگیر کے باغی بیٹے خسرو کو امداد دی تو تعلقات بگڑ گئے۔ سکھوں نے عالمگیر کے زمانے میں پنجاب کے پہاڑی علاقے کے ہندو راجاؤں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ شہنشاہ نے ان کی حفاظت کے لیے ایک فوج بھیج دی۔ سکھوں کو جلد ہی اس علاقے سے نکال دیا گیا۔ لیکن وہ اس کے بعد بھی حکومت کی مخالفت کرتے رہے۔

مرہٹے

مرہٹے اصل میں کسان تھے۔ ان کا وطن مہاراشٹر تھا، جو ایک پہاڑی علاقہ ہے۔ یہ لوگ اکثر دکن کے بادشاہوں کی فوج میں ملازم ہو جاتے تھے۔ وہاں انھوں نے چھوٹے چھوٹے دستوں میں بٹ کر چھاپے مارنے کا فن سیکھ لیا۔ جب دکن کی سلطنتیں کمزور ہونے لگیں تو انھوں نے لوٹ مار کا پیشہ اختیار کر لیا۔ یہ صدر مقام سے دور علاقوں پر اچانک جا پڑتے تھے اور نہتے لوگوں کو لوٹ لیتے تھے۔ شاہ جہان کے زمانے میں شاہ جی ایک مرہٹہ سردار تھا۔ جس کی جاگیر بیجاپور میں تھی۔ اس کے بیٹے سیوا جی نے بہت سے مقامات پر چھاپے مارے اور لوٹ مار مچا دی۔ لوٹ مار کرنے میں

وُہ ہندو مُسلمان کسی کا خیال نہیں کرتا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کا حَوصلہ بڑھا تو اُس نے سُورت میں انگریزوں کی تجارتی کوٹھی لُوٹ لی۔ وُہ اِتنا حریص تھا کہ جن پر چھاپے مارتا تھا، اُن میں سے کسی پر ذرا رحم نہ کرتا تھا۔ وُہ لڑائی کے مُعاملے میں دغا فریب سے کام لیتا تھا۔ جب 1659ء میں صُلح کے لیے اُس کی مُلاقات بیجاپُور کے سپہ سالار افضل خاں سے ہُوئی، تو وُہ اُس کے ساتھ بڑی محبّت سے گلے مِلا اور اِسی حالت میں اُس کی پیٹھ میں شیر پنجہ گھونپ کر اُس کو مار ڈالا۔

عالمگیر نے اپنے سالاروں کو سیوا جی کی گوشمالی کے لیے روانہ کیا۔ سیوا جی نے شکست کھائی اور اپنے آپ کو عالمگیر کے حوالے کر دیا۔ شہنشاہ نے اُسے معافی دے دی۔ کچھ عرصے کے بعد وُہ پھر باغی ہو گیا۔ 1674ء میں راجا کا لقب اختیار کیا۔ 1680ء میں مر گیا۔ چونکہ مرہٹوں نے دکن میں پُر امن زندگی ناممکن بنا دی تھی۔ اِس لیے 1681ء میں عالمگیر خود ایک بڑی فوج لے کر دکن پہنچا۔ مرہٹے کھُلے میدان میں مقابلے سے بچتے رہے۔ لیکن

...یر نے ایک لمبی جنگ کے بعد اُن کی قوّت کو کچل کر رکھ دیا

...جاپور اور گولکنڈہ

اورنگ زیب شاہ جہان کے زمانے میں بیجاپور اور گولکنڈہ کی ...وں کو شکست دے چکا تھا۔ وہ اُن کو فتح کرنے ہی والا تھا ... شاہ جہان کے حکم سے اس کو جنگ ترک کرنی پڑی۔ یہ ...نوں سلطنتیں مغلوں کے لیے ہمیشہ دردِ سر بنی رہیں۔ وہ خود ...نی کمزور تھیں کہ مرہٹوں کی روک تھام نہیں کر سکتی تھیں۔ ...س کے برعکس وہ مرہٹوں سے مغلوں کے خلاف کام لیتی تھیں ...س لیے عالمگیر نے 1686ء اور 1687ء میں دونوں ریاستوں ... قبضہ کر لیا۔

...صلاحات

عالمگیر پکّا مسلمان اور بڑا انتظام کرنے والا تھا۔ اس نے کئی اِصلاحات جاری کیں، جن ... مقصد یہ تھا کہ غریبوں کی حالت سُدھر جائے اور حکومت ... کاروبار اِسلامی شریعت کے مطابق ہو جائے۔ اُس نے ...لیے تمام ٹیکس معاف کر دیے، جو شریعت کی رُو سے جائز ...یں تھے۔ دربار کی تمام غیر اسلامی رسمیں بند کر دیں اور ...درباری زندگی کو زیادہ سے زیادہ سادہ بنانے کی کوشش ...ں۔ اُس نے اُستادوں کے لیے جاگیریں اور اِمدادی رقمیں ...مقرر کیں۔ ساری مملکت میں طلباء کو اُن کی ضرورت اور

لیاقت کے مطابق وظیفے دِیے جاتے تھے۔ اس کے زمانے میں ایک کتاب "فتاویٰ عالمگیری" تیّار کی گئی۔ یہ اِسلامی قانون کی کتاب تھی۔ اِس کتاب کی تیّاری میں خود عالمگیر نے بھی حِصّہ لیا تھا۔

عالمگیر کی سیرت

عالمگیر اپنی سادگی، پرہیزگاری، اعلیٰ مقاصد، محنت و مشقّت اور پاکبازی کے لیے سب میں مشہور تھا۔ وہ منصف مزاج اور نیک دِل حکمران تھا۔ وہ اِسلام کے اصولوں کی سختی سے پابندی کرتا تھا۔ وہ ابھی شہزادہ تھا کہ اسے بلخ کے حکمران کے خلاف جنگ میں شریک ہونا پڑا۔ جنگ زوروں پر تھی کہ نماز کا وقت آ گیا۔ عالمگیر نے گھوڑے سے اُتر کر وہیں نماز ادا کی۔ اِس بات کا اپنوں پر تو اثر ہونا ہی تھا، لیکن دشمنوں پر بھی بہت اثر ہُوا۔ وہ دینیات اور اِسلامی قانون کا زبردست عالم تھا۔ اس کو عربی، فارسی، تُرکی اور ہِندی پر عبور حاصل تھا۔ فارسی میں بڑے عُمدہ خطوط لِکھتا تھا۔ یہ خط آج بھی فارسی زبان کا اچھّا نمونہ سمجھے جاتے ہیں۔ اُس نے اپنی زِندگی عوام کی بہتری کے لیے وقف کر دی تھی۔ لوگوں کی طرف سے جو درخواستیں پیش ہوتی تھیں، اُنھیں خود پڑھتا اور ان پر خود حکم لِکھتا تھا۔ سلطنت کے تمام حِصّوں سے جو خبریں سرکاری افسر بھیجتے



SHAHI MOSQUE
L.H.R.



تھے، اُنھیں خود پڑھتا اور تمام انتظامات کی نگرانی کرتا۔ یورپ کے ایک سیاح نے جب دیکھا کہ وہ اسّی برس کی عمر میں تمام درخواستیں عینک کے بغیر پڑھتا ہے تو وہ اس کی فرض شناسی پر حیران رہ گیا۔

عالمگیر کی سلطنت کابل سے کوچ بہار تک اور کشمیر سے کاویری تک پھیلی ہوئی تھی۔ پاک و ہند کا پورا شمالی حصّہ اُس کے زمانے میں بالکل امن و امان میں رہا۔ اُس کے عہد میں صرف شروع کے زمانے میں چند چھوٹی چھوٹی بغاوتیں ہوئیں۔ وہ اکثر فوجوں کی سپہ سالاری خود کرتا تھا اور آخری عمر تک اِس فرض کو انجام دیتا رہا۔ جب اس نے گولکنڈہ کا محاصرہ کیا ہے تو اُس کی عمر بہت ہو چکی تھی۔ اِس محاصرے کی تصویر میں وہ اپنے سپاہیوں کو اِس طرح ہدایات دے رہا ہے، جیسے کہ وہ کوئی نوجوان سالار ہو۔ اورنگ زیب نے ۱۷۰۷ء میں دکن میں وفات پائی اور اُسے خُلد آباد میں دفن کیا گیا۔ یہ شہر ریاست حیدر آباد کے علاقے میں ہے۔ لاہور میں ایک عمارت آج تک عالمگیر کی یاد تازہ کر رہی ہے۔ یہ یہاں کی شاہی مسجد ہے جس کو اُس نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کے مینار بہت اُونچے اور شاندار ہیں اور یہ دُنیا کی سب سے بڑی مسجدوں میں سے ہے۔ مسجد کے سامنے قلعۂ لاہور کا عالمگیری دروازہ ہے۔ اِسے بھی عالمگیر نے ہی بنوایا تھا۔

سوالات اور مشقیں

1 تاریخ کے جس دَور کا مُطالعہ تم نے اِس باب میں کیا ہے، وہ تقریباً ایک سو سال پر پھیلا ہُوا ہے، تم اپنے کمرے کی دِیوار پر دس فُٹ لمبا رنگین، اُفقی خط کھینچو، اُس پر جہانگیر، شاہ جہاں اور عالمگیر کی تصویریں تارِیخی ترتیب سے لگاؤ۔ اِن میں سے ہر بادشاہ کے عہد میں جن واقعات اور اشخاص کا ذِکر آیا ہے، اُن کی فہرِست ایک الگ چارٹ پر بناؤ اور بادشاہ کی تصویر کے نیچے چسپاں کر دو۔

2 اگر تُم نے اِس دَور کی کوئی عمارت دیکھی ہے یا اب دیکھ سکتے ہو، تو اُس کی مُختصر کیفیت لکھو۔

3 مُندرجہ ذیل نام تارِیخی ترتیب میں لاؤ۔ پہلے اُس شخص کا نام آئے، جو پہلے پیدا ہُوا:-

عالمگیر۔ جہانگیر۔ شاہ جہاں۔ دارا شکوہ۔ مُراد۔ شجاع۔

4 اِس باب میں جن شہروں کا ذِکر آیا ہے، اُن کی فہرِست بنا لو اور نقشے پر نشان دہی کرو۔

5 عالمگیر کی سِیرت کا بیان پھر ایک مرتبہ پڑھ لو۔ ساتھ ہی بادشاہ اور اِنسان کی حیثیت سے اُس کے اَوصاف بتاؤ۔

تیار کردہ ویسٹ پاکستان ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور و منظور شدہ محکمہ تعلیم مغربی پاکستان،
بطور سول ٹیکسٹ بک برائے مدارس مغربی پاکستان
بموجب سرکلر نمبر 63/24-20(S) S.O. مورخہ 29 فروری سنہ 1964ء

قومی ترانہ

پاک سرزمین شاد باد — کشورِ حسین شاد باد
تو نشانِ عزمِ عالی شان — ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد

پاک سرزمین کا نظام — قوّتِ اخوّتِ عوام
قوم، ملک، سلطنت — پایندہ، تابندہ باد
شاد باد منزلِ مُراد

پرچم ستارہ و ہلال — رہبرِ ترقّی و کمال
ترجمانِ ماضی شانِ حال — جانِ استقبال
سایۂ خدائے ذوالجلال

129096
سیریل نمبر
کوڈ نمبر 59-I.K.W

تاریخ اشاعت	ایڈیشن نمبر	تعداد اشاعت	قیمت
مارچ 1965		42,500	ایک روپیہ چار پیسے